حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

فروری مارچ ۲۰۱۱ء

ماہنامہ

دقائقِ اسلام

سرگودھا

گولڈن جوبلی نمبر

زیرِ انتظام جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ
زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون : 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

❁ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔

❁ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

❁ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، انٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائقِ اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301.6702646

حقیقی تعلیمات اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائق اسلام

سرگودھا

جلد ۱۵ فروری مارچ ۲۰۱۱ء شمارہ ۲/۳

مُدیر اعلیٰ : ملک ممتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقام اشاعت : جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخط کمپوزرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِتعاون 200 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین گولڈن جوبلی نمبر

﴿اداریہ﴾

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

ماہ ربیع الاول ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے پوری دنیا کے مُسلمان اپنے پیارے آقا کی پیدائش پر خوشیاں مناتے ہیں، آپ کی ولادت باسعادت اقوام عالم کے لیے آزادی و نجات کا سبب ہے، آپ نے احترام آدمیت اور مکارم اخلاق کے وہ نمونے بطور اسوۂ حسنہ چھوڑے جن پر انسانیت عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرتی رہے گی۔ آپ نے نسلی علاقائی، لسانی اور غلام و آقا کے امتیازات مٹا کر مساوات کے بلند پایہ اور انمول نقوش چھوڑے۔ آپ نے فاران کی چوٹی سے خدائے واحد و یکتا کی طرف جبین نیاز جھکانے کا سبق دیا۔ آپ حقیقت میں محسن انسانیت ہیں، پورے عالم میں جو علم و معرفت کی ترقی ہے، وہ آپ ہی کے دم قدم سے ہوئی ہے۔ مُسلمان قوم آپ کی یاد تو مناتی ہے مگر آپ کے اسوۂ حسنہ پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہوتی۔ آج دنیا میں مُسلمانوں کی جو رسوائی ہو رہی ہے وہ آپ کی تعلیمات سے دوری کے سبب ہے۔ کاش مُسلمان قوم سیرت نبویؐ سے آراستہ ہو کر اقوام عالم کی رہبری کا فریضہ سرانجام دیتی۔ آج بقول ابوالکلام آزاد: "لوگ اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہیں مگر اپنے دل کی اجڑی ہوئی بستی کی خبر نہیں ہے۔ لوگ کافوری شمعیں روشن کرتے ہیں مگر دل کی اندھیاری کو دور کرنے کے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے، پھولوں کے گلدستے سجاتے ہیں مگر اعمال حسنہ کے پھول مرجھا گئے ہیں، لوگ گلاب کے چھینٹوں سے عطر ریزی کرتے ہیں مگر عظمت اسلامی کی عطر ریزی سے دنیا کی مشام روح یکسر خالی ہو گئی ہے۔ کاش تمھاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمھارے اینٹ و چونے کے مکان زیب و زینت سے خالی ہوتے تمھاری زبانوں سے کچھ نہ سنا جاتا مگر تمھاری روح کی آبادی معمور ہوتی تمھارے دل کی بستی نہ اجڑتی، تمھارا طالع خفتہ بیدار ہوتا، تمھاری زبانوں سے نہیں تمھارے اعمال سے اسوۂ نبویؐ کے ترانے اٹھتے۔ اے غفلت پرستو تمھیں کیا ہو گیا، بہار کی رسم تو مناتے ہو مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے"۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام طبقات سیرت نبوی پر عمل پیرا ہو کر اصلاح احوال کی طرف قدم بڑھائیں۔ حکمران طبقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرز جہانبانی پر عمل پیرا ہو، سادگی، امانت و دیانت کو اپنا شعار بنائیں اور اقتدار کا مقصد عوام کی خدمت سمجھیں، عوام اور حزب اختلاف بلا وجہ حکومت کی ٹانگیں نہ کھینچیں۔ قول و فعل کا تضاد ختم کر کے حق و صداقت کے نمونے پیش کیے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضور سے عشق و محبت کے بغیر کوئی کام سعادت نہیں بن سکتا۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

پاکستان کے سب مُسلمانوں سے گزارش ہے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں اور ملکی ترقی کے لیے اپنے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کے صدقے ہمارے گناہ معاف فرمائے اور ہمیں سچا اور پکا مُسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿باب العقائد﴾

جبر و تفویض کا مسئلہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

یہ مسئلہ بھی سابقہ مسئلہ کی طرح بڑا معرکۃ الآراء اور مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافِ امت کی آماجگاہ بن کر افراط و تفریط کا شکار ہوچکا ہے۔ اگرچہ حضرات اشاعرہ خداتعالیٰ کو افعالِ عباد کا خالق قرار دے کر بزعم خود اس کی قدرت مطلقہ کا اثبات اور اس سے ہر قسم کے شرکاء کی نفی کرتے ہیں اور اسی طرح معتزلہ حضرات تفویض کا عقیدہ اختیار کرکے اس کی ذات قدس کو جبر و جور سے منزہ و مبرا قرار دینے کی سعی کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نظریے شانِ ربوبیت کے منافی ہیں۔ کیونکہ اشاعرہ کے قول کی بناپر خداوند عالم کا ظالم و جابر اور مخلوق کا مظلوم و مقہور ہونا لازم آتا ہے جو سراسر قبیح ہے اور شانِ خداوندی کے خلاف ہے۔ اور معتزلہ کے نظریہ کی بناپر ممکن الوجود کا استقلال اور واجب الوجود سے اس کا استغنا و بے نیاز ہونا اور قادر مطلق کا معطل ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ امر بھی قدر قیوم کی شان قدرت و قیومیت کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث نبویہ میں قدریہ کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ آں جنابؐ کی ایک مشہور و معتبر حدیث ہے۔ فرمایا: لعنت القدرية على لسان سبعين نبيا۔ قدریہ پر ستر انبیاءؑ کی زبانی لعنت کی گئی ہے۔ (شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ طبع استنبول وغیرہ)

اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں وارد ہے: القدرية مجوس هذه الامة۔ کہ قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ (شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ طبع استنبول وغیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آں حضرتؐ کی خدمت بابرکت میں ایران سے حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا: تو نے جو کچھ دیکھا ہے اس میں سے جو چیز زیادہ تعجب خیز ہے اس کی مجھے خبر دو۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ایک ایسی قوم (مجوس) کو دیکھا ہے جو ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ کی قضا و قدر میں ہمارے متعلق ایسا ہی مقرر ہے۔ یہ سن کر آں حضرتؐ نے فرمایا: میری امت کے اواخر میں بھی کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ایسی باتیں کہیں گے، وہ میری امت کے مجوسی ہوں گے۔ (شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ و سفینۃ البحار وغیرہ)

اس قسم کی بکثرت احادیث کتب فریقین میں موجود ہیں۔ لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اشاعرہ (جبریہ) اور معتزلہ

(تفویضیہ) میں سے ہر فریق اپنے مد مقابل کو ان احادیث کا مصداق قرار دیتا ہے۔ قالت النصاریٰ لیست الیهود علیٰ شئ و قالت الیهود لیست النصاریٰ علیٰ شئ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے پر ان احادیث کو منطبق کرنے میں سچے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ احادیث سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں پر قدریہ کا اطلاق ہوا ہے۔ اگرچہ جبریہ پر ان روایات کا انطباق زیادہ ظاہر ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

حضرت علامہ مجلسی فرماتے ہیں: یستضع لك ان کلا منهما ضال صادق فیما نسب الی الاخر و ان الحق غیر ما ذهبا الیه و هو الامر بین الامرین۔ تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں اور جو نسبت ایک دوسرے کی طرف دیتے ہیں اس میں سچے ہیں۔ کیونکہ حق ان دونوں نظریوں کے خلاف ہے اور وہ ہے امر بین الامرین۔

پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ دونوں نظریے بوجہ افراط و تفریط ناقابل قبول ہیں اور صحیح نظریہ ان نظریات کے علاوہ کوئی ایسا ہونا چاہیے جو افراط و تفریط کی زد سے محفوظ ہو۔

اسی نظریہ شریفہ کو ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے: لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین۔ دین میں نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ حقیقت ان کے بین بین ہے۔ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختار مطلق، بلکہ معاملہ ان ہر دو کے درمیان ہے۔ اور یہ ایسا بہترین نظریہ ہے کہ بعض اشعری علماء بھی اس کی حقانیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، چنانچہ علامہ فخرالدین رازی نے مسئلہ جبر و تفویض میں ابحاث طویلہ کے بعد لکھا ہے: ونحن نقول الحق ما قال بعض ائمة الدین انه لا جبر و لا تفویض لکن امر بین الامرین۔ اس مسئلہ میں حق بات وہی ہے جو بعض ائمہ دین نے فرمائی ہے کہ نہ بالکل جبر ہے اور نہ بالکل تفویض، بلکہ حقیقت ان کے بین بین ہے۔ اس مضمون کی احادیث شہرت و کثرت میں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، لہٰذا ان کی صحت و وثاقت کے متعلق تو بحث کرنا عبث ہے۔ البتہ غور طلب امر یہ ہے کہ اس بین بین امر اور اس منزلہ ثالثہ سے مراد کیا ہے۔ یہ امر قابل توجہ اور لائق تفکر ہے۔ اس کے متعلق متعدد قول موجود ہیں۔ یہاں ان تمام اقوال کے نقل کرنے کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی چنداں ضرورت۔ لہٰذا ہم ان میں سے فقط پانچ قول پیش کرتے ہیں۔ و فیها کفایة لمن له درایة۔

پہلا قول یہ وہ قول ہے جسے حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اختیار فرمایا ہے۔ اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جبر سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ اس کی اپنی طاقت و قدرت سلب ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ نظریہ جبر کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم ہی انسان میں اطاعت یا معصیت کو خلق کر دیتا ہے۔ اور انسان کی قدرت اور اس کے ارادہ و اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور تفویض یہ ہے کہ افعال عباد میں سے وجوب و حرمت کو اٹھا لیا جائے۔ اور انسانوں کو بالکل مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جو

ان کا جی چاہے سو کریں۔ جیسا کہ زنادقہ وملاحدہ کہتے ہیں۔ ان دونوں نظریات کے درمیان جو واسطہ اور درمیانی نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے بندوں کو اپنے افعال نیک وبد پر قدرت وتمکنت دی ہے اور ان کے لیے حدود وقیود شرعیہ بھی مقرر فرمائے ہیں، اور پھر تعمیل کے مرحلہ میں وعدہ وعید اور زجر وتوبیخ کو بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ اب نہ تو بندوں کو افعال پر قدرت عطا کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے ان کو افعال پر مجبور کیا ہے، اور چونکہ حدود وقیود مقرر کردیے ہیں اور اوامر ونواہی کا سلسلہ قائم کرکے اطاعت وفرمانبرداری پر وعدہ ہائے اجر وثواب اور مخالفت ونافرمانی پر وعید ہائے عقاب وعذاب فرمائے ہیں، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ان کو بالکل مُہمل اور شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا ہے۔ یہ ہے الامر بین الامرین اور واسطہ بین القولین۔

حضرت صادق آل محمدؑ کے ارشاد مندرجہ متن رسالہ سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔

دوسرا قول وہ ہے جسے محدث جلیل ملا محمد امین استرآبادی نے اپنی بعض کتب میں اختیار فرمایا ہے کہ: امر بین الامرین کے یہ معنی ہیں کہ انسان اس طرح مطلق العنان نہیں ہیں کہ جو چاہیں کرتے پھریں، بلکہ ان کا ہر ہر قول وفعل ارادہ الٰہیہ حادثہ پر معلّق ہوتا ہے جس کا تعلق تخلیہ یا منع کے ساتھ ہوتا ہے کہ خدا چاہے تو ان کے اور ان کے مقصد کے درمیان حائل ہوجائے اور چاہے تو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ کسی دوا یا جادو کی تاثیر اذن ایزدی تخلیہ پر موقوف ہوتی ہے۔ بندوں کی طاعت ومعصیت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ ہر امر حادث کا وقوع پذیر ہونا اسی طرح اذن باری پر موقوف ہے جس طرح کوئی معلول اپنے وجود میں اپنے شرائط پر موقوف ہوتا ہے۔ یہ قول ہے تو عمدہ مگر اس میں نقص یہ ہے کہ عام فہم نہیں ہے۔

تیسرا قول وہ ہے جو بعض احادیث سے مستفاد ہوتا ہے، جیسا کہ عیون اخبار الرضا میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خداوند عالم ہی ہمارے افعال کا خالق و فاعل ہے اور پھر ہمیں ان پر عذاب وعقاب بھی کرتا ہے۔ وہ جبر کا قائل ہے، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ معصومین کے سپرد کردیا ہے وہ تفویض کا قائل ہے۔ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔ راوی نے عرض کیا: فرزند رسول! امر بین الامرین کیا ہے؟۔ فرمایا: جہاں تک طاعات الٰہیہ کا تعلق ہے ان میں اللہ سبحانہ کے ارادہ و مشیت کے دخل کا یہ مطلب ہے کہ خدا ان کو حکم دیتا ہے اور ان پر رضامند بھی ہے اور ان کی بجا آوری پر معاونت ومساعدت بھی کرتا ہے اور گناہوں میں اس کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تعلق کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان سے نہی کرتا ہے اور ان کے ارتکاب سے ناراض ہوتا ہے اور ان کی بجا آوری میں اس کا خذلان (ترک توفیق) شامل ہوتا ہے۔ راوی نے عرض کیا: آیا ان افعال میں خداوند عالم کی قضا کو بھی کچھ دخل ہے؟۔ فرمایا:

باب الاعمال

اسلام میں حفظانِ صحت کی اہمیت اور ترکِ لذات کی ممانعت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

اسلام دینِ فطرت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے حکیم نے اسلام کو ایسا جامع دستور حیات بنا کر بھیجا ہے کہ اگر اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو انسان کی تمام فطری خواہشات احسن طریقہ پر پوری ہو جاتی ہیں۔

اسلام انسان کی کسی فطری خواہش کو کچلنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسے حد اعتدال کے اندر رکھ کر اس کی خواہشات کو حیوانی خواہشات سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے۔

اسلام جسم و روح دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اگر ایک طرف وہ روحِ انسانی کو ترقی کا راستہ دکھاتا ہے تو دوسری طرف جسمِ انسانی کو بھی صحت و ترقی کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

روحانیت اور مادیت میں صحیح توازن قائم رکھ کر دنیا کا نظام چلانا ہی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس سے پہلے یہودیت میں یہ نقص تھا کہ اس نے روحانیت کو بالکل نظر انداز کر کے صرف مادی ترقی کو ہی قبلہ مقصود بنالیا تھا اور عیسائیت میں یہ عیب تھا کہ اس نے جسمانی تقاضوں کو یکسر بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر توجہ روحانی ترقی پر مرکوز کر دی تھی اور اسی مقصد کے لیے رہبانیت جیسی خلافِ فطرت چیز کو حقیقی دین قرار دے لیا تھا۔ اسی طرح دوسری قومیں بھی افراط و تفریط میں مبتلا تھیں اور ان حالات میں گھر کر انسانیت دم توڑ رہی تھی کہ خدائے منان نے از راہ لطف و احسان اسلام کو دم توڑتی دنیا کے لیے نئی زندگی کا پیغام بنا کر اپنے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معرفت بھیجا۔ جسم و روح کے لیے کوئی سود مند اور مفید چیز ایسی نہیں جو اسلام نے بیان نہ کی ہو۔ ذیل میں صرف جسمانی صحت و صفائی کے متعلق اسلام کی بعض ہدایات پیش کی جاتی ہیں۔

اسلام میں ترکِ لذات کی ممانعت

چونکہ حلال اور جائز لذائذ کے ترک سے انسانی صحت متاثر ہوتی ہے اس لیے اسلام جائز لذائذ کے ترک کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا دعوی ہے کہ اسی دنیا سے دین بنتا ہے اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ بعض صحابہ نے اپنی بیویوں کے پاس آنا جانا چھوڑ کر دن کو روزہ اور رات کو قیام شروع کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی تو ان کو اس روش پر ٹوکا اور فرمایا: "تمہارے نفسوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، روزہ رکھو مگر کبھی افطار بھی کرو، نماز پڑھو مگر

رات کو آرام بھی کرو۔ جو شخص ہمارے طریقے پر نہیں چلتا وہ ہم سے نہیں ہے"۔

اس واقعہ کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (اے ایمان والو! اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا ہے انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھا کرو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

نیز ارشاد قدرت ہے: قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ و الطیبات من الرزق۔ (اے رسولؐ کہہ دو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کس نے حرام قرار دیے ہیں۔)

اچھی غذا کھانے کا حکم

خشکی تری میں خالق رحیم نے بے شمار نعمتوں کے علاوہ عمدہ عمدہ غذائیں بھی پیدا کی ہیں، تاکہ انسان ان کو استعمال کر کے جسم کی پرورش کر سکے۔ اسلام نے اشیائے عالم کی حلت و حرمت میں انسان کی جسمانی صحت کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر پاکیزہ صحت افزا اور زندگی بخش غذا کو حلال اور ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا ہے جس سے کسی قسم کے مادی یا اخلاقی و روحانی نقصان کا اندیشہ تھا۔ صحت انسانی کے نقطہ نگاہ سے اگر اسلام کے اصول حلال و حرام کو دیکھا جائے تو اس کے اندر وہ حکمتیں نظر آتی ہیں جنھوں نے سائنس دانوں کو بھی اس خدائی قانون کی صداقت کا معترف کر دیا ہے۔

اسلام نے پاک و پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ پابندی ضرور عائد کر دی ہے کہ اسراف اور بے اعتدالی نہ کی جائے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ: کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ (کھاؤ پیو مگر اسراف اور زیادتی نہ کرو۔) اسلام نے کھانے پینے میں اعتدال کی تلقین کر کے انسان کو ہلاکت اور جسم کو بیماری سے بچانے کی کامیاب تدبیر کی ہے۔ ظاہر ہے کہ عمدہ سے عمدہ غذا بھی تھوڑی سی بے اعتدالی کرنے سے زہر قاتل بن جاتی ہے۔ (رب اکلتہ تمنع الاکلات) حکماء کا قول ہے کہ تندرستی اعتدال کا ہی دوسرا نام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس قدر اعتدال پسند بنا دیا تھا کہ ان کے ہاں بیماری کو راہ پانے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے مسلمانوں کے علاج معالجہ کے لیے ایک حاذق طبیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ کچھ عرصہ کے بعد طبیب نے دل برداشتہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس جانے کی رخصت طلب کی۔ آپؐ نے سبب دریافت فرمایا۔ کہا: یا رسول اللہؐ! جب ہمارے پاس کوئی بیمار آتا ہی نہیں تو ٹھہرنے کا فائدہ؟۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، یہاں لوگ بغیر شدید بھوک کے کھاتا نہیں کھاتے اور اس وقت دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جب کچھ بھوک باقی ہوتی ہے، اس لیے بیمار نہیں ہوتے۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد

باب التفسیر

یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت اور تعدد ازدواج کا جواز مشروط ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ع وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ص وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ○ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ○

(سورۃ النساء ۴: ۲-۳)

ترجمۃ الآیات

اور یتیموں کے مال ان کے سپرد کرو اور پاک مال کے بدلے ناپاک مال حاصل نہ کرو اور ان کے مالوں کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (۲) اور اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو جو عورتیں تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے۔ اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ (ان کے ساتھ) عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (بیوی) کرو۔ یا جو تمھاری ملکیت میں ہوں (ان پر اکتفا کرو) یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ بے انصافی نہ کرو۔ (ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔)

تفسیر الآیات

واتوا الیتامی ۔۔۔ الآیہ

"یتامی" یتیم کی جمع ہے۔ یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جو سایہ پدری سے محروم ہو جائے اور یہ سلسلہ بلوغت تک برقرار رہتا ہے۔ "لا یتم بعد احتلام" بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ یہاں اگر بالغوں کو یتیم کہا گیا ہے تو یہ ان کی سابقہ حالت کی بنا پر ہے اور مجازا ہے۔ کیونکہ یتیموں کا مال واپس لوٹانے کا حکم نکاح کی عمر کو پہنچنے اور ان میں اہلیت و سمجھ داری محسوس کرنے کے بعد ہے، جیسا کہ اس سورۃ کی آیت نمبر۶ میں صراحت موجود ہے۔ نزول قرآن سے پہلے لوگ یتیموں پر مختلف قسم کے ظلم و جور کرتے تھے۔ مثلاً:

1. بڑے رشتہ دار یتیموں کے مال پر قبضہ کر لیتے اور ہڑپ کر جاتے تھے۔
2. ان کا اعلیٰ قسم کا مال لے لیتے اور گنتی پوری کرنے کے لیے اپنا ردی مال ان کو دے دیتے تھے۔
3. ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر کے کاور حفاظت کا بہانہ بنا کر ہضم کر جاتے تھے۔

خداوند رؤف و رحیم نے ان تمام صورتوں سے

سختی کے ساتھ یتیموں کے سرپرست اہلِ اسلام کو منع کیا ہے اور اس کارروائی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے۔
فرمایا: ان کا مال واپس کرو۔ عمدہ مال کو ردی مال سے تبدیل نہ کرو اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ انہ کان حوبًا کبیراً

وان خفتم الا تقسطوا۔۔۔۔الآیہ

ایک مشہور ایراد کا جواب

اکثر و بیشتر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قرآنی ارشاد اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے تو جو عورتیں تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار۔ بھلا یتیموں سے انصاف نہ کرسکنے کے خوف کو تعدد ازدواج سے کیا تعلق ہے؟۔ اور ان کے درمیان کیا ربط ہے؟۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان ربط و تعلق کو سمجھنے کے لیے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں ان یتامی سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، اور پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نزول قرآن کے وقت یتیم بچیوں کے ساتھ ان کے سرپرستوں کا سلوک کیا تھا؟۔ تاریخ ہماری یہ رہنمائی کرتی ہے کہ باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد یتیم بچیوں کے سرپرست ان کے حسن و جمال یا ان کے مال و منال کی وجہ سے خود ان سے نکاح کرلیتے تھے، یا اپنے بچوں سے ان کا نکاح کردیتے تھے۔ اور چونکہ یتیم ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کا کوئی نگران نہیں ہوتا تھا، اس لیے نکاح کے وقت نہ ان کے شایان شان حق مہر مقرر کیا جاتا تھا اور نہ ہی عقد ازدواج کے بعد کماحقہ ان کے حقوق ادا کرنے کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا، بلکہ ان کے ساتھ زیادتی روا رکھی جاتی تھی۔ اس لیے خدائے رحیم و کریم نے حکم دیا کہ اگر تمھیں خوف ہو کہ ان یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ تمھیں جو عورتیں پسند ہوں، ان سے چار تک نکاح کرسکتے ہو۔ اس طرح قرآن نے واضح کردیا کہ یتیم بچے بچی کے مال پر ہر حیلہ و بہانہ سے قبضہ کرنا اور ان کے حقوق پامال کرنا ناجائز اور حرام ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے اولیاء پر ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا لازم ہے۔

تعدد ازواج کا جواز مشروط ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مخصوص حکم و مصالح اور مختلف عِلل و اسباب کے تحت (جن کا ایک شمہ ذیل میں بیان کیا جائے گا) بیک وقت، ایک سے زائد بیویوں سے چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے مگر اس کو عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے وضاحت کردی ہے کہ ان لم تعدلوا فواحدۃ کہ اگر عدل و انصاف نہ کرسکو تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نیم مذہبی اور کم تعلیم یافتہ طبقوں نے بالخصوص بعض سرمایہ داروں اور ہوس پرست امیروں نے اس شرط کو نظر انداز کرکے تعدد ازدواج کو محبوب مشغلہ بنالیا ہے اور اگر حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہوتا یہ ہے کہ ایک آدھ کو حریم دل میں جگہ دے کر دنیا و مافیہا کی خوشیاں اور نعمتیں اس کی گود میں ڈال دی جاتی ہیں اور دوسری بیویوں کے

حقوق پامال کر کے ان کو صرف اپنی بدقسمتی پر رونے دھونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نہ ان کو طلاق دے کر فارغ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے اور ان کی اولاد کے حقوق ادا کیے جاتے ہیں۔ اور ایسی اولادیں شفقت پدری سے محروم ہو جاتی ہیں۔ کاش کہ مُسلمان اپنی اس روش و رفتار سے اسلام کو بدنام نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا عدل تعدد ازدواج نے عام عورتوں کو اسلام سے اس قدر بدگمان کر دیا ہے کہ اگر کہیں سے نفاذ اسلام کی آواز بلند ہو تو وہ اس سے بدکتی ہیں، حالانکہ اس میں جو کچھ قصور ہے وہ مُسلمان کہلانے والے مردوں کا ہے، اسلام کا کوئی قصور نہیں ہے۔

تعدد ازواج کا جواز قرآن و سُنّت اور عقل سلیم و فطرت صحیحہ کی روشنی میں

مخالفین اسلام ہمیشہ تعدد ازواج کے مسئلہ کی وجہ سے بڑی لے دے کرتے رہتے ہیں اور بعض مُسلمان راہنما جو ذہنی طور پر مغرب سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہیں، معذرت خواہانہ لب و لہجہ میں اس کی تاویلیں کیا کرتے ہیں، حالانکہ اگر بے لاگ نگاہ سے آئین فطرت اور قانون قدرت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حکم (جواز) بڑا حکیمانہ نظر آتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل حقائق کا مدنظر رکھنا ضروری ہے:

❶ یہ کوئی لازمی حکم نہیں، جس کی پابندی مُسلمانوں پر لازم ہو، بلکہ یہ صرف ایک رخصت ہے۔

❷ یہ رخصت بھی بے قید و بند نہیں ہے، بلکہ سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

❸ طب قدیم و جدید اس امر پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے مختلف ہے۔

❹ مرد میں جنسی رغبت عورت سے زیادہ ہے۔ جس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مختلف نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، استقرار حمل، وضع حمل، رضاعت اور بچے کی پرورش۔ وہ ان مراحل میں یوں مشغول رہتی ہے کہ اس میں کوئی جنسی خواہش رونما ہی نہیں ہوتی، بخلاف اس کے مرد ان تمام ذمہ داریوں سے یکسر آزاد ہوتا ہے۔

❺ اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مرد سے زیادہ ہے اور پھر جنگوں میں ہزاروں لاکھوں مرد جنگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتے ہیں، اس لیے عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس کا علاج تعدد ازدواج کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

❻ جس ملک و ملت میں تعدد ازواج قانوناً ممنوع ہے وہاں زنا کی کثرت ہے اور اس کی اجازت بھی ہے اور پھر اس کی وجہ سے جو خرابیاں جنم لیتی ہیں، وہ ان گنت ہیں۔ تو ان بے شمار خرابیوں سے بچنے کے لیے تعدد ازدواج کیوں جائز نہیں ہے؟۔

❼ کیا بیوی اور اس کی اولاد کے لیے شوہر کی دوسری بیوی قابل برداشت ہے، یا اس کی داشتہ؟۔ روحانی و جسمانی تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر بتایا جائے؟۔

❽ کیا کسی شریف اور غیرت مند عورت کے لیے کسی شریف کی بیوی اور گھر کی مالکہ بن کر رہنا زیادہ مناسب ہے جہاں اسے اور اس کی اولاد کو تحفظ حاصل ہو،

شوہر اس کے ہر دکھ سکھ اور اس کی عزت و ناموس کا ذمہ دار ہو، یا کسی شخص کی ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بن کر رہنا کہ جہاں نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی اور ذمہ داری لینے کے لیے آمادہ کار ہو؟۔

❾ کیا یورپ وغیرہ میں حرامی بچوں کی کثرت اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے اور تعدد ازدواج کی حکمت سمجھانے کے لیے کافی نہیں ہے؟۔

❿ اسلام سے پہلے متعدد بیویاں رکھنا تقریباً تمام ادیان میں جائز تھا اور اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی۔ اسلام نے تو اپنے دوسرے مسائل کی طرح یہاں بھی اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور ضرورت کے وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بیویوں میں ظاہری عدل قائم کیا جائے۔ (اگرچہ قلبی رجحان و میلان میں توازن قائم رکھنا ممکن نہیں ہے۔) (ضیاء القرآن وغیرہ) ذالك ادنی الا تعدلوا یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔

حق مہر کی ادائیگی واجب ہے

اس آیت اور دوسری آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ مرد پر حق مہر کی ادائیگی واجب ہے، ہاں البتہ عورت اپنی خوشی سے اور برضا و رغبت خویش سارا یا اس میں سے کچھ معاف کر دے تو پھر مرد کے لیے شوق سے اس کا کھانا جائز ہے، ورنہ بہرحال واجب الادا رہے گا۔

بقیہ: سیرت النبی المختار من کلام حیدر الکرار

آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو کسی اور نبی کے انتقال سے منقطع نہیں ہوا۔

(خطبہ نمبر ۲۳۲ صفحہ ۵۳۱ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

یعنی آپؐ چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں، اس لیے آپؐ کے جانے کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ وحی کے ذریعے آسمان سے کوئی خبر آئے گی۔ آپؐ کی رحلت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپؐ کے دنیا سے اٹھ جانے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

(خطبہ نمبر ۱۴۹ صفحہ ۳۹۴ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

التماس دعاء

جملہ مخلص اہل ایمان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اوقات مخصوصہ میں

❶ فاضل محترم جناب سید عبدالجلیل شاہ نقوی،

❷ جناب مولانا حق نواز آف کوٹ بہادر جھنگ،

❸ جناب مولوی محمد صادق آف بلوچاں ضلع خوشاب

کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں کہ

شافی مطلق ان کو شفاء کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے

بجاہ النبی و آلہ

(ملتمس دعاء: ادارہ دقائق اسلام)

باب الحدیث

(گزشتہ سے پیوستہ)

عامۃ الناس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

❶ جناب زید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب نے ان سے فرمایا کہ میرے پیروکاروں اور میرے قول پر عمل کرنے والے جب تمھیں ملیں تو ان کو میرا سلام پہنچاؤ اور ان سے کہو کہ میں تمھیں تقوائے الٰہی اختیار کرنے اور دین میں ورع (حرام کاری سے بچنے) اور اجتہاد (احکام شرع پر عمل کرنے میں جد وجہد کرنے، سچ بولنے، امانت کے ادا کرنے، سجدے کو طول دینے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی) وصیت کرتا ہوں۔ یہی وہ شریعت ہے جو پیغمبر اسلامؐ منجانب اللہ لائے ہیں اور جو شخص تمھارے پاس امانت رکھ جائے اسے ادا کرو، خواہ امانت رکھنے والا نیک ہو یا بد۔ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو اور ان کے بیماروں کی مزاج پرسی کرو اور ان کے حقوق کو ادا کرو۔ پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دین میں ورع اختیار کرے اور سچ بولے، امانت کو ادا کرے اور عام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے تو جب لوگ کہیں یہ جعفری ہے تو مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اور جب تم میں سے کسی شخص میں یہ خصلتیں نہ پائی جائیں اور لوگ اس کی عیب جوئی کریں تو مجھے اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ الخ (اصول کافی)

❷ حذیفہ بن منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا وہ بات جس سے تم لوگوں کو خوش کرسکتے ہو وہ یہ ہے کہ ان کی عیب جوئی اور گلہ گوئی سے اپنی زبانوں کو روکو۔ (اصول کافی)

❸ یہی راوی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جو شخص اپنا ایک ہاتھ لوگوں سے روکتا ہے اس کی وجہ سے بہت سے ہاتھ اس سے رک جاتے ہیں۔ (اصول کافی)

❹ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو اس سے تمھیں لوگوں کے حالات کا پتا چل جائے گا، اور اس کے نتیجہ میں تم لوگوں سے نفرت کرنے لگو گے۔ (کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوگا کہ اکثر لوگ اچھے کردار کے مالک نہیں ہیں۔ (اصول کافی)

اللھم صل علی محمد و آل محمد

باب المسائل

مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ : آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سوالات جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے ڈیرہ اسماعیل خان

سوال نمبر ۲۱۵ : (گزشتہ سے پیوستہ)

زوجہ امام حسینؑ محترمہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبد اللہ جو کہ جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کی والدہ مکرمہ ہیں ان کے والد طلحہ وہی بزرگ ہیں جو برادران اسلامی کے نزدیک عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور جن کا نام طلحہ و زبیر کر کردار میں آتا ہے؟۔ جناب امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۵۰ھ میں ہوئی تو اس طرح کربلا میں جناب فاطمہ صغریٰ کی ۸ یا ۹ سال بنتی ہے، پھر ان کا حامل امانت ہونا اور خطبات دینا نظر انداز کرنا پڑے گا۔ جناب سکینہ بنت الحسینؑ ان سے بھی کم عمر تھیں، ان کا سن کتنا بنے گا؟۔ جناب فاطمہ بنت الحسینؑ جناب حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام کے عقد میں تھیں اور دونوں کربلا میں موجود تھے، انہی سے حسنی سادات کا سلسلہ چلا۔ پھر جناب امیر قاسم کے عقد کا قصہ کیا ہے؟ وہ جناب امام حسینؑ کی کس بیٹی سے ہوا۔ جناب شہزادہ علی اکبر کی شادی کس سے ہوئی تھی جس کے نہ ہونے کا افسوس کیا جاتا ہے۔ جناب فاطمہ صغریٰ بیمار مدینہ ہیں، پھر وہ کونسی سید الشہداءؑ کی بیٹی ہے۔ کربلا میں موجود جناب فاطمہ بنت الحسینؑ اور جناب سکینہ بنت الحسینؑ کی عمر کتنی تھی۔

جواب باسمہ سبحانہ ! بظاہر تو یہ ایک سوال ہے مگر در حقیقت یہ کئی سوالات کا مجموعہ ہے اور ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ سب کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

❶ ہاں یہ محترمہ اسی طلحہ کی صلب سے متولد ہوئیں جو برادران اسلامی کے نزدیک عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور جنگ جمل میں جن کا کردار بڑا نمایاں نظر آتا ہے۔ سچ ہے یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی۔

❷ امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۵۰ھ میں ہوئی اور عدت گزار کر جناب ام اسحاق نے حضرت امام حسینؑ سے عقد وازدواج کیا تو ۶۱ھ تک کھینچ تان کر ان کی عمر دس سال بنتی ہے اور عربستان میں دس سال کی لڑکی عقد و ازدواج کے قابل ہوتی ہے اور خاندان رسالت کی دس سالہ بچی خطبے بھی دے سکتی ہے۔

❸ جناب سکینہ بنت الحسین کی ولادت کی تاریخ کتابوں میں تاریخ نہیں ملتی۔ لہٰذا یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعہ کربلا میں ان کی کتنی تھی، بہر حال یہ بھی یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ واقعہ کربلا میں ان کی کل عمر تین

چار سال تھی بالکل غلط ہے۔

۴ جناب شاہزادہ علی اکبر کی کسی ایسی شادی کرنے کا تذکرہ کتب تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔

۵ جناب شاہزادہ قاسم کے عقد وازدواج کا قصہ داستان امیر حمزہ کی قسم سے ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد ہے۔

۶ جناب فاطمہ صغریٰ کے دچھوڑے والی روایت ناقابل اعتبار ہے۔ ان باتوں کی تفصیل ہماری کتاب سعادت الدارین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر۲۱۶: شام میں جناب سکینہ بنت الحسینؑ کی ضریح مبارکہ کا وجود کیا معنی رکھتا ہے، جب کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی، وضاحت فرمائیں کہ پھر یہ کس کا مزار ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! ہم نے اپنی کتاب سعادت الدین میں دلائل قاطعہ کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسین کا زندان شام میں وفات پانا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور متعدد تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں بمقام مدینۃ النبی واقع ہوئی اور ان کی نماز جنازہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ شام والا مزار کس کا ہے؟۔

سوال نمبر۲۱۷: حضرت سکینہ اور جناب فاطمہ صغریٰ کے بارے میں داستانیں گھڑی گئیں، جب کہ تواریخ اور مقاتل کی تحقیق کے مطابق کربلا سنہ ۶۱ھ میں دونوں شادی شدہ تھیں، حوالہ انتخاب مصائب از سید شرف الدین موسوی۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! جناب فاطمہ بنت الحسینؑ ایک ہی ہیں جن کو مختلف اعتبارات سے کبریٰ و صغریٰ کہا جاتا ہے۔ ابھی اوپر ان کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ اور جناب سکینہ بنت الحسین حضرت امام حسینؑ کی منجھلی بیٹی کا نام ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق واقعہ کربلا میں وہ غیر شادی شدہ تھیں۔ ہاں البتہ ان کی نسبت جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہو چکی تھی، جو کہ کربلا کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ تفصیل سعادت الدارین میں دیکھی جائے۔

باب المتفرقات

امام جعفرؑ صادق کی شخصیت کا مختصر جائزہ

ترجمہ: جناب سید کفایت حسین صاحب

اسم گرامی: جعفر (علیہ السلام)

والد ماجد اور اجداد: محمد الباقر (علیہ السلام) بن علی زین العابدین (علیہ السلام) بن امام حسین سید الشہداء (علیہ السلام) بن امیر المومنین علی (علیہ السلام) بن محسن خاتم النبیین ابی طالب (علیہ السلام)

مشہور القاب: صادق، صابر، فاضل، طاہر، مصدق

کنیت: ابو اسماعیل، ابو عبداللہ۔ (اصول کافی میں آپ کا ذکر ابو عبداللہ ہی سے فرمایا گیا ہے۔)

مادرِ گرامی: محترمہ و معظمہ اُمِ فروہ بنت جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر۔

تاریخ ولادت: ۱۷ ربیع الاول پر اتفاق کیا گیا ہے۔ مگر سال ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ امام بخاری اور علامہ محسن الامین کے نزدیک سن پیدائش ۸۰ ہجری بمطابق ۲۴ مئی ۶۹۹ء ہے۔ تہذیب الاسماء میں علامہ نوری نے اور وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے اِسی تاریخ کو اختیار کیا ہے۔ نیز الجمالی اور الخشاب کے نزدیک بھی یہی زیادہ صحیح ہے۔ لیکن ثقۃ الاسلام جناب یعقوب کلینی اور شیخ مفید رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ مطابق ۲۶ اپریل ۷۰۲ء زیادہ صحیح ہے۔

تاریخ شہادت: ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے، مگر یومِ وفات پر اتفاق نہیں ہو سکا ہے۔ بعض نے ۱۵ رجب اور اکثر نے ۱۵ شوال کو تاریخ شہادت قرار دیا ہے۔

سبب شہادت: عباسی بادشاہ منصور دوانیقی نے عداوت کے باعث انگوروں میں زہر دے کر شہید کیا۔

مدفن: جنت البقیع مدینہ منورہ میں اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے دادا سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور اپنی جدہ طاہرہ سیدہ خاتون جنت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے مزارات کے قریب دفن ہوئے۔ مگر عہد سعودیہ میں یہ تمام روضہ ہائے آلِ رسولؐ منہدم کر دیے گئے اور آج یہ قبور حسرت و یاس کی تصاویر بنی امت کی غیرت کا ماتم دیکھ رہی ہیں۔

ددھیال و ننھیال: یقیناً امام جعفر صادق علیہ السلام کے ددھیال بے مثل و بے نظیر تھے۔ خانوادہ رسالت و امامت کا ثانی کون ہو سکتا ہے۔ مگر ننھیال بھی کم نہ تھے۔

مادر گرامی جناب ام فروہ علمی معدن کا در نایاب تھیں۔ آپؑ کے نانا قاسم اسلام کے عظیم فقیہ تھے اور یہ فرزند اسلام جناب محمد بن ابی بکر کے نور چشم تھے، جن کو باب مدینۃ العلم علی المرتضیٰؑ کی آغوش تربیت نصیب ہوئی تھی اور علیؑ ان کو اپنا بیٹا کہتے تھے۔ آپ کے ماموں جناب عبدالرحمٰن بن قاسم کا علمی مرتبہ بھی بہت بلند تھا اور فقہائے مدینہ میں انتہائی ممتاز مقام کے حامل تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام خانوادۂ رسالت اور سلسلہ ائمہ اہل بیت رسولؐ کے چھٹے امام ہیں۔ اور یہی وہ سلسلہ "امامتِ حقہ" ہے جس کی خلیل خدا جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے تمنا و آرزو کی تھی اور پروردگار نے لاینال عہد الظالمین کی شرط کے ساتھ یہ خواہش پوری کرکے امامت منصوص من اللہ اور عصمت کی طرف بلیغ اشارہ کیا تھا۔

عہد امامت

فرزند رسولؐ امام جعفر صادق علیہ السلام وہ شخصیت ہیں جن کو امامت حقہ کے دونوں دشمن خاندانوں سے واسطہ پڑا۔ یعنی بنی امیہ اور بنی عباس سے سابقہ ہوا۔ آپؑ نے اموی شوکت و جبروت اور عباسی شہنشاہیت کا قہر و غلبہ دونوں کو دیکھا۔ اموی خون آشامیوں کو بھی ملاحظہ فرمایا، اور عباسی سفاکیوں کا بھی نظارہ کیا۔ آپؑ نے اموی عہد کی آخری ہچکیاں سنیں اور ان کے اقتدار کو دم توڑتے ہوئے دیکھا کہ استبدادی تخت و تاج کس طرح ٹھوکروں کا کھلونا بن گئے۔ ۱۴۰ھ سے قائم اموی سلطنت کا چراغ آخر کار گل ہوا اور ظالم حکومت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ جابر حکمران اپنے ظلم و جور اور جبر و استبداد ختم کرکے خود تو زمینی کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن گئے مگر اپنی چیرہ دستیوں کے بدلے اپنی نسلوں کو گروی رکھ گئے۔ کعبۃ اللہ کی تاراجی، مدینۃ الرسولؐ کی تباہی و بے حرمتی، امام حسینؑ مظلوم کا بے خطا قتل، اسلامی آئین کی پامالی اور شرعی قوانین کی توہین وغیرہ ایسی شنیع باتیں تھیں جو ملت مسلمہ کے ضمیر کو لحظہ لحظہ جھنجوڑ رہی تھیں۔ جلدی یا دیر سے بہرحال امت کی غیرت بیدار ہوئی۔ مسلمانوں پر اثر ہوا اور بھرپور ہوا کہ مردہ بولے تو کفن پھاڑ کے۔ اب امویوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ سر چھپانے کا ٹھکانا ملنا تو بڑی بات ہے لوگوں نے پرانے مردے اکھاڑنے شروع کیے اور قبروں تک کو کھدوا دیا گیا۔

بنی عباس جنھوں نے موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور آلِ رسولؐ کے نام اور "ثارات الحسین" کے نعرہ پر انقلاب کو ہوا دی اور "محبت اہل بیتؑ" کی نقاب اوڑھ کر سامنے آئے تاکہ تخت و تاج حاصل کرنے میں آسانی ہو، مگر جب اقتدار مل گیا تو اپنے کرتوت میں بنی امیہ سے بھی بازی لے گئے اور اموی و عباسی دونوں کے انداز حکمرانی میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ جس طرح بنی امیہ کے زمانے میں اہل بیتِ رسولؐ پر ظلم و تشدد ہوتا رہا، اسی طرح بنو عباس کے عہد کی سفاکیاں جاری رہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ پہلے بھی نشانہ ستم بنے رہے اور اب تو جور و جفا میں اور اضافہ ہوگیا۔ دونوں ادوار میں قانون کی بالادستی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ حاکم کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات گویا حرفِ آخر ہوتے تھے۔ مفتیان دین اور قاضیان شرع متین اپنی عزت و ناموس اور جانوں کا تحفظ

اس بات میں محسوس کرتے تھے کہ سلطان وقت کے اشارہ ابرو کو سمجھیں اور اس پر بلا حیل و حجت عمل کریں۔ جابر بادشاہ کے احساسات اور جذبات کے موافق فتوے جاری کریں۔ ورنہ کوڑے کھانے کے لیے تیار رہیں۔ کسی صاحب دستار عالم و فاضل کے سر کو پھوڑ دینا اور معزز شہری کو بلا قصور قید و بند کی صعوبت میں مبتلا کر دینا تو معمولی واقعات تھے۔

کیا ایسے فتنہ انگیز دور میں رسُول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسند شریفہ پر بیٹھ کر اسلام کی صحیح ترویج اور دین کے محکم فیصلوں کا صادر کرنا آسان کام تھا؟ یہی وجہ تھی کہ ائمہ اہل بیتؑ کو کام کرنے کا موقع ہاتھ نہ لگ سکا۔ کیونکہ ان کی تو خصوصی طور سے کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ البتہ صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کو غنیمت کے طور پر تھوڑا سا وقت مل گیا۔ وہ بھی اس لیے کہ امویوں کو اپنے اقتدار کے جانے کی پڑ گئی اور عباسیوں کو اپنی کرسی بچانے کی۔ جب دونوں کو اپنی پڑی تو امام برحق کو موقع مل گیا کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن "کتاب و حکمت کی تعلیم" کو فروغ اور وسعت دیں۔

یوں تو ہر امام نے اپنے وقت میں اپنے فرائض امامت کما حقہ انجام دیے۔ بالخصوص واقعہ کربلا سے امیرالمومنین امام علی علیہ السلام اور جوانان جنت کے دونوں سردار حضرات حسنین شریفین علیہما السلام کے کارہائے نمایاں اور مسند علم و فقہ پر متمکن رشد و ہدایت کے فیوض سے کون واقف نہیں ہے، ان کا تو ذکر ہی بلند ہے، ان سے وابستہ ہو جانے والے غلام و کنیزیں علمی مراتب میں اپنی مثال نہیں رکھتی ہیں۔ کربلا کے مصائب اور خونچکاں حادثات کو برداشت کرنے کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام کا دین اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہو جانا بھی انوکھی نظیر ہے۔ صحیفہ سجادیہ جسے زبور آلِ محمدؐ کہا گیا ہے حضرت سجاد کے علمی آثار کا ایک ممتاز نمونہ ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام وہ کوہ علم ہیں جس کی بلندیوں تک انسانی نگاہیں پہنچنے سے قاصر ہیں، وہ ایسی ذی وقار شخصیت ہیں جن کے در پر بڑے بڑے عالم اور نابغہ روزگار جبہ رسائی کیے بغیر اپنے آپ کو نامکمل اور ادھورا تصور کرتے تھے۔ آپ کا لقب "باقر" اسی لیے ہے، آپ بات سے بات پیدا کرتے اور علم کو شگافتہ کر کے اس کی کنہ اور حقیقت سے دنیا کو روشناس کراتے اور ایسے مسائل بیان فرماتے جو وارثِ قرآن الحکیم ہی بیان کر سکتا ہے۔ آپ کا شریعت کدہ علم کا مرکز اور حکمت کا عظیم منبع اور سرچشمہ تھا۔ جس سے ایک عرصہ تک دنیا فیض حاصل کرتی رہی اور امام جعفر صادقؑ نے بھی اپنے والد معظم کے مکتب میں حاضری دی۔ جن کو دوسرے کے مقابلے میں نشر علوم کا زیادہ موافق وقت مل گیا۔

جسٹس امیر علی اپنی تاریخ عرب میں لکھتے ہیں کہ:

"اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اُس دور میں علم کا اِنتشار (پھیلاؤ) اِس حد تک ہوا کہ انسانی فِکر کا جمود ختم ہو گیا اور فلسفی مسائل ہر ہر محفل میں زیر بحث آنے لگے۔ لیکن یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس پُوری علمی تحریک کے قائد اکبر علی بن ابی طالبؑ کے فرزند امام صادقؑ تھے۔ جن کی فکر وسیع، نظر عمیق اور جنھیں ہر علم

میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپؑ اِسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے مؤسس اور بانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؑ کی مجلس بحث و درس میں صرف وہی حضرات نہ آتے تھے جو بعد میں امام مذہب بن گئے، بلکہ تمام اطراف سے بڑے بڑے فلاسفر اِستفادہ کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے"۔

رفیقہ حیات: امام جعفر صادق علیہ السّلام کی صرف ایک زوجہ تھیں، جن کا اسم گرامی "فاطمہ" تھا۔ ایک روایت ہے کہ آپ (فاطمہ) حضرت حسین بن علی بن امام حسین علیہ السّلام کی صاحبزادی تھیں۔ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ فاطمہ بنت حسین الاثرم بن حسن تھیں۔

اولاد: آپؑ کے سب سے بڑے فرزند حضرت اِسماعیل تھے۔ جن کا آپؑ کی زندگی میں ہی اِنتقال ہو گیا تھا۔ دوسرے عبداللہ اور بیٹی ام فروہ۔ تیسرے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ، چوتھے اسحاق، پانچویں محمد۔ (۳، ۴، ۵ کی والدہ حمیدہ خاتون تھیں جو بربریہ تھیں۔) ان کے علاوہ عباس، علی، اسماء، فاطمہ مختلف البطن تھیں۔ گویا سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

مشہور اصحاب اور شاگرد:

چار ہزار سے زیادہ عظیم ترین افراد اور ہستیاں آپؑ کے حلقہ علم و ارادت سے منسلک تھیں۔ ان کی فہرست باقاعدہ موجود ہے۔ اس وقت چند مشہور شخصیتوں کا تذکرہ اور اسماء درج ذیل ہیں۔ جو علم و فضل میں ممتاز تھے: ۱ ابن ابی تغلب ۲ اسحاق بن عمار ۳ ابو القاسم برید بن معاویہ عجلی ۴ ثابت بن دینار ۵ ابو حمزہ ثمالی ۶ مالک بن انس ۷ سُفیان ثوری ۸ سُفیان بن عُیَینَہ ۹ فضل بن عیاض ۱۰ شعبہ بن حجاج ۱۱ حاتم بن اسماعیل ۱۲ حفص بن غیاث ۱۳ ابراہیم بن مُحمّد ۱۴ ابو المنذر زہیر بن مُحمّد ۱۵ حماد بن زیاد ۱۶ زرارہ بن اعین شیبانی ۱۷ ابو محمد صفوان بن مہران ۱۸ ہشام بن الحکم ۱۹ معلی بن خنیس ۲۰ مفضل بن عمرو ۲۱ بکر الشیبانی ۲۲ جابر بن حیان ۲۳ امام اعظم ابوحنیفہ۔ وغیرہم

بادشاہانِ وقت: **اموی:** ۱ عبد الملک، ۲ ولید بن عبدالملک، ۳ سُلیمان بن عبدالملک، ۴ عمر بن عبدالعزیزؒ، ۵ یزید بن عبدالملک، ۶ ہشام بن عبدالملک، ۷ ولید بن عبدالملک ثانی، ۸ یزید ناقص، ۹ ابراہیم بن ولید، ۱۰ مروان بن محمد۔ **عباسی:** ۱۱ ابوالعباس سفاح، ۱۲ ابوجعفر منصور۔

﴿باب المتفرقات﴾

خصائص الحسن علیہ السلام

تحریر: علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

ائمۂ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات کی دو قسمیں ہیں۔ بعض کا تعلق عام افراد امت یا اولیاء اللہ سے ہے کہ ان حضرات میں وہ خصوصیات پائے جاتے ہیں جو دیگر افراد امت یا اولیاء خدا میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ بعض کا تعلق خود ان کے گھرانے اور خاندان سے ہے کہ رب العالمین نے مواقع اور مصالح کی مناسبت سے ہر امام کو وہ خصوصیات عنایت فرمائے ہیں جو دوسرے ائمہ کی زندگی میں بھی نہیں پائے جاتے ہیں کہ ان کا دور ان خصوصیات کا مستحق نہیں تھا، یا ان کے دور میں ان خصوصیات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ذیل میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دونوں قسم کے خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کیا جا رہا ہے۔ تفصیلی مطالب واقعات اور کرامات وغیرہ کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں یا بیان ہوتے رہتے ہیں۔ ان خصوصیات کے تذکرہ کا سلسلہ نسب شریف اور وقت ولادت سے شروع ہوتا ہے اور شہادت اور اس کے بعد کے واقعات پر منتہی ہوتا ہے۔

امام حسن مجتبیٰ کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ آپ تاریخ بنی آدم میں وہ پہلے انسان ہیں جو معصوم ماں باپ کے ذریعہ عالم وجود میں آئے ہیں اور آپ کے والدین کو وہ عصمت مطلقہ حاصل ہے جس کی مثال انبیاء کرام اور اولیاء خدا کی تاریخ حیات میں بھی نہیں ملتی ہے۔

آپ وہ پہلے انسان ہیں جنھیں رب العالمین نے وہ اوصاف اضافی عنایت فرمائے ہیں جن کی نظیر تاریخ کائنات میں کہیں نہیں ہے۔ آپ کے جد بزرگوار رسول اکرمؐ، آپ کی جدہ ماجدہ خدیجۃ الکبریٰ ام المومنینؑ، آپ کے والد محترم مولائے کائنات، آپ کی والدہ گرامی صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ، آپ کے چچا حضرت عقیل و جعفر طیار، آپ کی پھوپھی حضرت ام ہانی جن کے گھر کو مسجد الحرام کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ آپ کے دادا حضرت ابوطالبؑ جنھیں محسن اسلام اور مربی رسول اکرمؐ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

واضح رہے کہ ان اوصاف میں اگرچہ امام حسینؑ بھی شریک ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ رب العالمین نے یہ شرف امام حسنؑ کو امام حسینؑ سے پہلے عنایت کیا ہے۔ لہذا اس اعتبار سے آپؑ اپنے دور میں اس شرف کے اعتبار سے بالکل منفرد تھے، اگرچہ آل محمدؐ میں باہمی طور پر کمالات کا موازنہ نہیں ہوسکتا

ہے کہ سب ایک نور کے ٹکڑے اور ایک حقیقت نورانیہ کے اجزاء ہیں۔

دورِ کم سنی

کمسنی کا زمانہ جب عام طور سے دنیا کے بچے کھیل کود میں زندگی گزارتے ہیں اور قرآن مجید نے بھی اسی نکتہ کا لحاظ رکھ کر زندگانی دنیا کو ابتدا میں لہو و لعب اور آخر میں زینت و تفاخر وغیرہ قرار دیا ہے، آلِ محمدؐ کے کمسن افراد ان خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جن کا دوسرے انسانوں کی زندگی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

امام حسنؑ کی قوت شامہ اس قدر قوی تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی مادر گرامی سے فرمایا کہ میں اپنے نانا کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ جس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امامت کی قوت احساس عام انسانوں سے بلند تر اور قوی تر ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے جسم میں ایک خوشبو ہوتی ہے جس کا ادراک ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا ہے اور اس کے لیے امام حسنؑ جیسی قوت احساس درکار ہے۔

امام حسنؑ کی قوتِ بصارت یا بصیرت اس قدر قوی تھی کہ جب مولائے کائنات نے پسِ پردہ بیٹھ کر بیٹے کا بیان سننا چاہا تو فوراً فرما دیا کہ: "مادرِ گرامی! آج میرے بیان میں روانی نہیں ہے، اور میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا سردار مجھے دیکھ رہا ہے"۔

امام حسنؑ نے اس بیان سے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجھے درکارِ دوعالمؐ نے جوانانِ جنت کا سردار قرار دیا ہے لیکن میں اپنے پدرِ بزرگوار کو باپ کے بجائے اپنا سردار کہہ کر یاد کر رہا ہوں تاکہ دنیا کو یہ اندازہ ہو جائے کہ ان کا مقابلہ مجھ جیسے افراد سے نہیں کیا جاسکتا ہے تو امت کے گنہگار افراد کا ذکر کیا ہے۔

فضائل و مناقب

فضائل و مناقب کے اعتبار سے بھی امام حسنؑ کو ایک انفرادیت حاصل ہے جو عام افرادِ امت کے مقابلہ میں بھی ہے اور بعض اعتبارات سے خود دیگر افرادِ اہل بیتؑ کے مقابلہ میں بھی۔ مثال کے طور پر:

میدانِ مباہلہ میں عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کے لیے حق و صداقت کے مجسّمے بن کر آنے والوں میں آپ سب سے نمایاں فرد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انتہائی کم سنی کے باوجود میدان میں اپنے پیروں سے آئے اور رسول اکرمؐ نے آپ کو سب سے آگے رکھا اور اپنے برابر سے چلنے کا شرف عنایت فرمایا۔

سورۂ ھل اتی کے نزول کے لیے جن افراد کی بیماری کو سبب قرار دیا گیا ہے اور جن کی شفاء صحت کی نذر کو پورا کرنے کے لیے روزے رکھے گئے ہیں ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور یہ شرف حسنینؑ کے علاوہ دنیا کے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا ہے۔

پروردگار عالم نے جن افراد کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا ہے ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس وقت آپ انتہائی کم سن تھے اور کم سنی میں انسان تعلیماتِ رسالت سے بھی فیض یاب نہیں

ہوتا ہے، چہ جائے کہ اس کی محبت کو رسالت کی اجرت قرار دے دیا جائے۔ لیکن پروردگار نے یہ شرف امام حسنؑ کو کم سنی کے عالم میں عنایت فرمایا ہے۔

اسی کم سنی کے دور میں رسول اکرمؐ نے آپ کو جوانان جنت کا سردار قرار دیا ہے۔

اسی دور میں آپؑ نے امامت کا اعلان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے دونوں فرزند امام ہیں، چاہیں قیام کریں یا بیٹھے رہیں۔

ریحان رسولؐ اور سبط پیغمبر ہونے کا شرف بھی آپ کو اسی دور کم سنی میں حاصل ہوا ہے۔

دور شباب

جوانی کے زمانے میں آپ کو زور بازو اور قوت شجاعت دکھانے کا موقع ملا ہے تو جمل و صفین کے معرکوں میں اس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ہے اور مولائے کائناتؑ نے آپؑ کے وجود اقدس کی اس قدر توقیر و تقدیر کی ہے کہ جب محمد بن الحنفیہ نے یہ کہہ دیا کہ آپ ہر مرتبہ مجھی کو بھیجتے ہیں اور حسنینؑ کو میدان میں نہیں بھیجتے تو آپؑ نے ٹوک کر فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور یہ دونوں رسول اللہؐ کے فرزند ہیں۔

دور امامت

آپؑ کے دور قیادت کا آغاز ایسے سخت حالات سے ہوا ہے جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

آپؑ نے پہلی نماز جماعت اس وقت پڑھائی ہے جب باپ سامنے محراب میں زخمی بیٹھا ہوا تھا، خون فرق اقدس سے جاری تھا، ریش مبارک خون سے رنگین ہو رہی تھی اور آپؑ نہایت درجہ خضوع و خشوع سے عبادت الٰہی انجام دے رہے تھے۔

دوسری مصیبت آپؑ کے سامنے یہ آئی کہ اس باپ کو بھی علی الاعلان دفن نہ کر سکے جو خلیفۃ المسلمین ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا تھا اور جس کے غم میں سارا عالم اسلام سوگوار تھا۔ اس لیے کہ آپ کو شام کے مظالم اور امت اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا مکمل اندازہ تھا اور یہ خطرہ تھا کہ نشان قبر واضح ہو گیا تو کسی وقت بھی قبر اقدس کی بے حرمتی کی جا سکتی ہے جس طرح مسلمانوں نے مادر گرامی کی قبر کو کھولنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور مولائے کائناتؑ کے غیظ و غضب کو دیکھ کر اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

شہادت

امام حسنؑ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپؑ سب سے پہلے شہید ہیں جنھیں زہر دغا سے شہید کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تاریخ حیات پیغمبرؐ میں اس قسم کے مصائب کا اشارہ ضرور ملتا ہے لیکن امام حسنؑ کی شہادت ایک بالکل واضح اور مسلم واقعہ ہے جس کا مؤرخین اسلام نے بھی اقرار کیا ہے، اگرچہ قاتل اور زہر دینے والے کو مشتبہ بنا دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

امام حسنؑ نے اپنی شہادت سے یہ بھی واضح کر دیا کہ رشتہ زوجیت کردار کی ضمانت نہیں ہے اور بدنفس زوجہ شوہر کی قاتل بھی ہو سکتی ہے اور ہوس دنیا شامل ہو جائے

توانسان کوئی بھی اقدام کرسکتا ہے۔

شہادت کے بعد جنازہ پر تیروں کی بارش بھی آپؑ کے امتیازات مصائب میں شامل ہے جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

پہلوئے رسولؐ میں دفن کی جگہ کا نہ ملنا بھی آپؑ کے امتیازات مصائب میں شامل ہے۔ جس سے امت اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصحاب رسول کو پہلوئے رسول میں جگہ مل سکتی ہے لیکن فرزند رسول کو نانا کے پہلو میں جگہ نہیں مل سکتی ہے۔

الزامات

امام حسنؑ کی زندگی کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ آپ کو امت اسلامیہ نے اس طرح خلیفۃ المسلمین تسلیم نہیں کیا جس طرح اس سے پہلے خلفاء اسلام کی شخصیتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ نے آپؑ کے خلاف الزامات کا سلسلہ شروع کردیا۔

سب سے پہلا الزام آپؑ پر کثرت ازدواج کا لگایا گیا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں وضع کی گئیں اور اس کی پشت پر عیسائیت نے مکمل طور پر بنی امیہ کی حمایت کی کہ معاویہ کا دربار عیسائیوں کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا، معاویہ کی زوجہ یزید کی ماں بھی عیسائی تھی اور معاویہ کا طبیب خاص بھی عیسائی تھا اور عیسائیت کی نگاہ میں کسی صاحب کردار کے کردار پر سب سے بڑا حملہ مسئلہ کثرت ازدواج ہے جس طرح کہ اسلام کے خلاف سب سے بڑا حربہ مسئلہ جواز تعدد ازدواج ہے۔ چنانچہ یہی حربہ روز اول رسول اسلام کے خلاف استعمال کیا گیا اور بعد میں امام حسنؑ کے خلاف استعمال ہوا اور اس کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ عیسائیت میں شادی کا تصور ہی نہیں ہے اور وہ مذہبی طور پر ہر مثالی کردار سے خالی ہے۔

عیسائیت نے عورتوں میں مثالی کردار حضرت مریم کا قرار دیا ہے اور انھوں نے عقد نہیں کیا ہے۔

اور مردوں میں مثالی کردار حضرت عیسٰیؑ کا ہے اور انھوں نے بھی کوئی عقد نہیں کیا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی دنیا شادی کی اہمیت سے ناواقف رہ گئی اور اس کے ذہن میں یہ تصور قائم ہوگیا کہ شادی روحانیت اور عظمت کردار کے خلاف ہے اور اسے جہاں بھی دو چار شادیوں کا ذکر دکھائی دیا، یا جہاں کسی شخصیت سے اِختلاف پیدا ہوگیا اس کے خلاف سب سے پہلے کثرت ازدواج کا پروپیگنڈا کیا گیا، یا اس کے تعدد ازدواج کو اس کے کردار کی کمزوری کی دلیل بنادیا گیا۔

امام حسنؑ پر دُوسرا اِلزام خوف اور بزدلی کا تھا اور یہ بات اس سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں رسُولِ اکرمؐ اور مولائے کائناتؑ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔ لیکن اس وقت صورت حال قدرے مُختلف تھی، لہٰذا ان حضرات کو اس مُصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس کا سامنا امام حسنؑ کو کرنا پڑا اور آپؑ نے اس مُصیبت کے باوجود اپنی مہم کو جاری رکھا اور کوئی اقدام ایسا نہیں کیا جسے ظالم بہانہ قرار دے کر بنی ہاشم، یا مُحبان آل محمدؐ کا خاتمہ کردے۔

﴿باب المتفرقات﴾

سیرت النبی المختار من کلام حیدر الکرار

تحریر: جناب حسین الامینی صاحب

جب سے دنیا میں نسل انسانی کی ابتدار ہوئی ہے اس وقت سے یہ سنت الٰہیہ رہی ہے کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے وقفے وقفے سے انبیار مبعوث ہوتے رہے ہیں، ان میں سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انبیار بھیجنے کا مقصد کیا تھا، اس بارے میں حضرت علیؑ اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: لیستادوھم میثاق فطرته و یذکروھم منسی نعمته و یحتجوا علیھم بالتبلیغ و یشیروالھم دفائن العقول ویروھم الأیات المقدرة۔

ترجمہ: تاکہ (یہ انبیارؑ) لوگوں سے فطرت کے عہد وپیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں، پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں، عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

(خطبہ نمبر ۱ صفحہ ۶۷، ترجمہ مفتی جعفر حسین طبع لاہور)

آنحضرتؐ سے پہلے جب باقی انبیار کرام تشریف لا چکے تو سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا، اس بارے میں حضرت علیؑ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں کہ: "خداوند عالم نے اپنا وعدہ پورا کرنے اور نبوت تمام کرنے کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جن کی نبوت کا انبیار سے عہد لیا جا چکا تھا جن کے علامات روشن اور ولادت مبارک ہے۔

(خطبہ نمبر ۲ صفحہ ۷۶، ترجمہ علامہ میرزا یوسف حسین طبع لاہور)

اس وقت دنیا کی حالت کیا تھی؟

حضرت علیؑ اپنے ایک خطبہ میں اس وقت دنیا کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مذاہب جدا جدا، خواہشات پراگندہ اور فرقے مختلف تھے، کچھ خدا کو بندوں کے مانند سمجھتے کچھ اس کے نام بگاڑتے کچھ اسے چھوڑ کر غیروں کو خدا قرار دیتے تھے۔

(خطبہ نمبر ۲ صفحہ ۷۶، ترجمہ علامہ میرزا یوسف حسین طبع لاہور)

اس کی شرح میں علامہ مرزا یوسف حسین لکھتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم مبعوث برسالت ہوئے تو عالم میں قسم قسم کے مذاہب اور طرح طرح کے عقائد تھے۔ (ان میں سے) بعض معطلہ تھے، جن کا عقیدہ تھا کہ نہ خدا ہے نہ بعثت و حشر اور نہ نشر۔ بعض وجود خداوندی کے معترف مگر بعثت کے منکر تھے، بعض خداوند عالم اور معاد کے قائل تھے مگر انبیار و رسل کے دشمن تھے۔ بعض تناسخ کے قائل تھے۔ (وغیرہ وغیرہ)

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲ صفحہ ۸۷، ترجمہ و شرح علامہ مرزا یوسف حسین)

بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ:

(اس وقت حالت یہ تھی کہ) لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جہاں دین کے بندھن شکستہ یقین کے اصول متزلزل اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔ (جن سے) نکلنے کی راہیں تنگ و تاریک تھیں، ہدایت گمنام اور ضلالت ہمہ گیر تھی۔ (کھلے بندوں) اللہ کی مخالفت ہوتی تھی اور شیطان کی مدد کی جاتی تھی اور ایمان بے سہارا تھا، چنانچہ اس کے ستون گر گئے تھے اور اس کے نشان تک پہچاننے میں نہ آتے تھے، اس کے راستے مٹ مٹا گئے اور شاہراہیں اجڑ گئیں۔ وہ (لوگ) شیطان کے پیچھے لگ کر اس کی راہوں پر چلنے لگے اور اس کے گھاٹ پر اتر پڑے۔

(منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۳۔۵۵۴)

آیت اللہ حبیب اللہ خوئی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: دین کی رسی کے شکستہ ہونے سے مراد مخلوق کا حق سے انحراف، ان کا اس سے تمسک کا فقدان اور راہ راست سے روگردانی ہے، اسی لیے یقین کے ستون متزلزل تھے۔

(منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۳۔۵۵۴)

ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: (بعثت نبویؐ کے وقت) لوگ گمراہی میں چکر کھا رہے تھے اور حیرت میں غلطاں و پیچاں تھے، انھیں ہلاکت کی مہاریں کھینچ رہی تھیں اور زنگ (و گمراہی) کے قفل ان کے دلوں پر لگے ہوئے تھے۔

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۰ صفحہ ۵۶۲ ترجمہ علامہ مرزا یوسف حسین)

اس وقت لوگوں کی کیا حالت تھی، حضرت علیؑ اپنے ایک خطبہ میں بیان فرماتے ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کو (ان کی بد اعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہ عرب اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے، بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔

(خطبہ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۵۱ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور ساری امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں، فتنے سر اٹھا رہے تھے، سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔

(خطبہ نمبر ۷۷ صفحہ ۲۵۱۔۲۵۲ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے، ہلاکت و گمراہی کے پرچم کھلے ہوئے تھے اور (یہی دنیا) دنیا والوں کے سامنے کڑوے اور تیوری چڑھائے ہوئے نظر آ رہی تھی، اس کا پھل فتنہ تھا اور اس کی غذا مردار تھی اندر کا لباس خوف اور باہر کا پہناوا تلوار تھا۔

(خطبہ نمبر ۷۷ صفحہ ۲۵۱۔۲۵۲ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

پھر آپ کی نورانی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشنی کے ساتھ

بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا تو ان ان کے ذریعے سے تمام پراگندگیوں اور پریشانیوں کو دور کیا اور غلبہ پانے والوں پر تسلط جمالی، مشکلوں کو سہل اور دشواریوں کو آسان بنایا، یہاں تک کہ دائیں بائیں (افراط وتفریط) کا سمتوں سے گمراہی کو دور ہٹایا۔

(خطبہ نمبر ۲۱۱ صفحہ ۵۸۸ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: (آپ کی تشریف آوری کے بعد) تاریک گمراہیوں اور حد سے گزری ہوئی جہالتوں اور سخت مزاجی کے بعد آنحضرت کے نواسے شہر کے شہر جگمگا اٹھے۔

(خطبہ نمبر ۱۵۱ صفحہ ۵۹۴ ترجمہ مرزا یوسف حسین)

ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے روشنی ڈھونڈنے والوں کے لیے (نورہدایت کے) شعلے بھڑکا دیے اور اندھیرے میں بھٹکنے والوں کے لیے راستہ روشن کر دیا۔

(خطبہ نمبر ۷۰، صفحہ ۲۱۷ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ایک خطبہ کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: آپ ایسا چراغ ہیں جس کی روشنی تو دے رہی ہے اور ایسا ستارہ ہیں جس کا نور درخشاں ہے اور ایسا چقماق ہیں جس کی چمک آسا ہے (یعنی روشنی کی کرنیں دینے والی ہے)

(خطبہ نمبر ۹۴ صفحہ ۱۸۷ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی)

آپ کی پاکیزہ ولادت کا ذکر کرتے ہوئے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: آپ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے، جب ان میں سے کوئی گزر جانے والا گزر گیا دوسرا دین خدا کو لے کر کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ یہ الٰہی شرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا، جنھیں ایسے معدنوں سے جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے جو کہ نشو و نما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں پیدا کیا، اسی شجرہ سے کہ جس سے انبیاء پیدا کیے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے ان کی عزت بہترین عزت اور قبیلہ بہترین قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر اگا اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا۔

(خطبہ نمبر ۹۲ صفحہ ۲۸۳ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

اللہ تعالیٰ آپ کے نسب مبارک کو کس طرح پاکیزہ خاندانوں میں منتقل کرتا رہا، جب (یعنی جہاں بھی) خدا نے انسان کو (نسلی وحدت کے بعد) دو خاندانوں میں تقسیم کیا تو آنحضرتؐ کو دونوں میں سے اچھے (خاندان) میں رکھا، جس میں کوئی بدکار اور حرام کار نہ تھا۔ (آپ کے آباء کرام طیب وطاہر تھے۔)

(خطبہ نمبر ۲۰۵ صفحہ ۵۱۸ ترجمہ رئیس احمد ندوی جعفری)

آنحضرتؐ پر جب نبوت کی ذمہ داری کا آغاز ہوا تو آپ نے کیا کیا اس بات کو حضرت علیؑ ایک خطبہ میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں: جیسا ان پر (ذمہ داری کا) بوجھ عائد کیا گیا تھا اس کو انھوں نے اٹھایا، اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لیے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہوگئے، نہ آگے بڑھنے سے منھ موڑا نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔

(خطبہ نمبر ۷۰، صفحہ ۲۱۷ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: آنحضرتؐ

نے اللہ کی رضا کی خاطر ہر مصیبت میں اپنے کو ڈال دیا اور ہر غصہ کے گھونٹ کو پی لیا، قریب والوں نے ان کے سامنے رنگ بدل دیا اور دور والوں نے ان پر لشکر کشی کر دی، عرب والوں نے اپنی زمام کا رخ ان کی طرف موڑ دیا اور اپنی سواریوں کو ان سے جنگ کرنے کے لیے مہمیز کر دیا۔

(خطبہ نمبر ۱۹۴ صفحہ ۴۰۵ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی)

ایک خطبہ کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: آنحضرتؐ کو جو حکم تھا اسے آپؐ نے کھول کر بیان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کی، سینوں میں بھری ہوئی سخت عداوتوں اور دلوں میں بھڑک اٹھنے والے کینوں کے بعد خویش و اقارب کو آپس میں شیر و شکر کر دیا۔

(خطبہ نمبر ۲۲۸ صفحہ ۶۲۵ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: آنحضرتؐ نے حق کی کھلم کھلا دعوت دی دنیا کو نصیحت کی ہدایت کی طرف راہبری کی سیدھے راستے پر چلنے کا حکم دیا۔

(خطبہ نمبر ۱۸۶ صفحہ ۴۹۴ ترجمہ رئیس احمد جعفری)

آپؐ نے کس طرح دین کی دعوت دی، ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: آپؐ نے اللہ کی اطاعت کی طرف لوگوں کو بلایا اور دین کی راہ میں جہاد کر کے اس کے دشمنوں پر غلبہ پایا، ان کے جھٹلانے پر لوگوں کا ایکا کر لینا اور ان کے نور کو بجھانے کے لیے کوشش و تلاش میں لگے رہنا آپؐ کو اس (تبلیغ و جہاد) سے نہ ہٹا سکا۔

(خطبہ نمبر ۱۸۸ صفحہ ۵۰۸ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

پیغمبر گرامی کا پاکیزہ ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں: بارِ الہا! آنحضرتؐ تیری وحی کے حافظ اور تیری پہچان کے محافظ تھے۔

(خطبہ نمبر ۷۰ صفحہ ۲۱۷ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

آپؐ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں کہ: آپؐ بچپنے میں بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر اشرف کائنات تھے اور پاک لوگوں میں خو خصلت کے اعتبار سے پاکیزہ تر اور جود و سخا میں ابر صفت برسائے جانے والوں میں سب سے زائد لگاتار برسنے والے تھے۔

(خطبہ نمبر ۱۰۳ صفحہ ۲۹۳ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: آپؐ منتخب و برگزیدہ ہیں اور آپؐ کے فضل و کمال کی برابری نہیں ہو سکتی۔

(خطبہ نمبر ۱۴۹ صفحہ ۳۹۴ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

آپؐ دنیا سے کب تشریف لے گئے، ایک جگہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو اس وقت اپنے پاس بلایا جب وہ اس کے احکام کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے چکے تھے۔

(خطبہ نمبر ۱۸۳ صفحہ ۳۵۳ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی)

آپؐ کی وفات حسرت آیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کے چلے جانے سے نبوت خدائی احکام اور

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

باب المتفرقات

(گزشتہ سے پیوستہ)

خلافت قرآن کی نظر میں

تحریر: محقق عصر مولانا سید محمد حسین زیدی برقی مدظلہ العالی (چنیوٹ)

"یستخلف"

کافروں کو ہلاک کر کے اہلِ ایمان کو ان کا وارث بنانے کی پیش گوئی

قرآن کریم میں یہ لفظ تین مقامات پر تین ضمیروں کے ساتھ آیا ہے:

❶ "یستخلف": وہ جانشین بنادے گا دوسروں کو تمہارا۔ (ہود: ۵۷)

❷ "یستخلف": وہ جانشین بنادے گا تم کو دوسروں کا۔ (الاعراف: ۱۲۹)

❸ "یستخلف": وہ ضرور ضرور جانشین بنائے گا ان کو دوسروں کا۔ (النور: ۵۵)

یہ الفاظ جن جن آیات اور جن جن واقعات میں وارد ہوئے ہیں۔ ان میں غور کرنے سے بخوبی علم ہوجاتا ہے کہ یہ خدا نے اپنے رسُولوں کے ذریعہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب نازل کر کے ایمان لانے والوں کو ان کا وارث بنانے کی پیش گوئی کی ہے۔

پہلے لفظ میں اپنے مخاطبین قوم عاد کو ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب سے ہلاک کر کے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ آباد کرنے کی پیش گوئی ہے۔

دوسرے لفظ میں دوسرے لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر کے اور اپنے مخاطب لوگوں کو بچا کر انھیں ان ہلاک ہونے والوں کی جگہ آباد کرنے کی پیش گوئی ہے۔

تیسرے لفظ میں بھی دوسرے لفظ کا ہی مفہوم بیان ہوا ہے لیکن "ل" اور "ن" تاکیدی کے ساتھ یعنی یہ پیش گوئی بھی حتمی یقینی پکی اور ضرور ضرور پوری ہونے والی ہے، وہ ضرور کافروں کے کسی گروہ کو ہلاک کر کے ایمان لانے والوں کو اُن کی جگہ اُن کا جانشین بنائے گا۔

اب ہم ان الفاظ کی علیحدہ علیحدہ توضیح و تشریح اور استدلال کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

❶ "یستخلف": اگرچہ اس لفظ کی تشریح و توضیح حضرت ہود کے بیان میں ہوچکی ہے لیکن یہاں اس عنوان کے تحت علیحدہ علیحدہ طور پر بھی آیت قرآنی سے مزید ثبوت کے لیے ایک بہت ہی واضح قرآنی آیت کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: "و ربك الغنی ذو الرحمة ان یشاء یذهبکم و یستخلف من بعدکم مایشاء کما انشاکم من ذریة قوم اٰخرین۔"

(الانعام: ۳۳) "اور تمھارا پروردگار بے نیاز اور صاحب رحمت ہے اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے۔ (تمھیں ہلاک کردے) اور تمھارے بعد جن کو چاہے تمھاری جگہ آباد کردے اور تمھارا جانشین بنادے جیسا کہ دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا کردیا"۔

"یستخلف" کے معنی کی وضاحت کے لیے یہ آیت اتنی صاف اور واضح ہے کہ اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ "ان یشاء یذھبکم" اپنے مخاطب زندہ لوگوں سے خطاب ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمھیں یہاں سے اس دنیا سے لے جائے، طبعی موت کے ذریعہ لے جائے یا عذاب کے ذریعہ موت دے کر وہ جس طرح چاہے تمھیں لے جاسکتا ہے۔ "و یستخلف من بعدکم ما یشاء" اور تمھارے لے جانے کے بعد تمھاری جگہ جنھیں چاہے آباد کرے اور تمھارا جانشین بنائے۔ اب یہ ان کی جگہ کیسے آباد کرے گا اور کس طرح سے جانشین بنائے گا، واضح دو ٹوک اور داشگاف الفاظ میں کہتا ہے: "کما انشاء کم من ذریۃ قوم آخرین" اسی طرح سے جس طرح سے تم کو دوسرے لوگوں کی نسل ذریت اور اولاد سے پیدا کرکے تمھیں ان کی جگہ آباد کیا ہے اور تمھیں ان کا جانشین بنایا ہے۔ اس سے بڑھ کر وضاحت اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ "یستخلف" سے مراد ہرگز ہرگز کوئی منصب یا عہدہ نہیں ہے بلکہ پہلے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی جگہ آباد ہونا اور ان کے وارث و جانشین بننا ہے۔ پس بالفاظ واضح ثابت ہو گیا کہ مولانا مودودی اور ان کے ہم خیال تمام مفکرین اور مسلمانوں کی پہلی حکومت کے طرف داروں کو اس لفظ کو بنیاد بنا کر یہ کہنا قطعی غلط اور باطل ہے کہ "ہر وہ قوم جسے زمین میں اقتدار حاصل ہوتا ہے، دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۴)

۲ "یستخلف": یہ لفظ حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں آیا ہے۔ ہم اس آیت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم سے یہ بات بھی ثابت کریں گے کہ وہ کس طرح دوسروں کے وارث و جانشین بنے۔ اس لیے ہم وہ آیت پیش کرنے سے پہلے جس میں یہ لفظ "یستخلفکم" آیا ہے اس سے پہلی آیات اور ان کا ترجمہ سیاق و سباق کلام کو ذہن نشین کرانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وقال الملاء من قوم فرعون اتذر موسی و قومه لیفسدوا فی الارض و یذرك و الھتك قال سنقتل ابنائھم و نستحی نسائھم وانا فوقھم قاھرون قال موسی لقومه استعینوا باللّٰہ و اصبروا ان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین"۔

(الاعراف: ۱۲۷-۱۲۸) "اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ: اے فرعون! کیا تو موسیٰؑ کو اور اس کی قوم کو زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کھلا چھوڑ دے گا، حالانکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ فرعون نے کہا کہ: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کردیں گے اور ان کی بیٹیوں کو "کنیزیں بنانے کے لیے) زندہ چھوڑتے رہیں گے۔ اور یقیناً ہم ان پر غالب رہیں گے۔ تب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری

قوم! تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بے شک یہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی بہتر ہوتا ہے"۔

ان آیات میں دو الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ ایک "اصبروا"۔ یعنی تم صبر کرو، اور دوسرا "یورثھا" یعنی اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ گویا موسیٰؑ پہلے لفظ کے ساتھ تو اپنی قوم کو کفار پر عذابِ الٰہی کے آنے اور ان کی ہلاکت کا اِنتظار کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، اور دوسرے لفظ کے ذریعہ اس بات کی طرف اِشارہ کر رہے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے بعد ان کے مالوں، ان کی جائیدادوں، ان کے مکانوں اور ان کے باغوں اور زمینوں کے تم ہی وارث ہوگے۔

اب وہ آیت بیان ہوتی ہے جس میں یہ لفظ "یستخلفکم" آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا قال عسی ربکم ان یھلك عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون"۔ (الاعراف: ۱۲۹) (موسیٰؑ کے صبر کی تلقین کرنے اور اپنے جانشین بنائے جانے کی پیش گوئی سن کر بنی اسرائیل نے) کہا (اے موسیٰ) ہم نے تو تمھارے آنے سے پہلے بھی تکلیف اٹھائی اور تمھارے آنے کے بعد بھی (موسیٰؑ نے) کہا قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور تم کو زمین میں ان کا وارث اور جانشین بنا دے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس آیت پر کسی زیادہ تبصرہ اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ موسیٰؑ کے آنے سے پہلے بھی ظلم و جور کی چکی میں پس رہے تھے اور ان کے آنے کے بعد بھی اسی طرح سے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا اور انھوں نے موسیٰؑ سے عرض کی کہ اے موسیٰ تمھارے آنے سے پہلے تو ہم پر مُصیبت نازل ہو رہی تھی، اب تمھارے آنے کے بعد ہم پر اور بھی زیادہ مُصیبت نازل ہونی شروع ہو گئی ہے۔ لہٰذا موسیٰ نے اسن کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا عنقریب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو ان کا جانشین اور ان کا وارث بنا دے گا۔ مولانا مودودی اسی آیت کو پیش کر کے اس کا ترجمہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ: "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اِقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۳)

حالانکہ یہاں خدا کا خلیفہ ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہ تو فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کے ان کے مالوں، زمینوں، مکانوں اور باغوں کا وارث ہونے کی پیش گوئی ہے۔ لیکن مولانا مودودی کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ پہلے فرعون اور اس کی قوم خدا کی خلیفہ تھی اور ان کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کی قوم خدا کی خلیفہ ہو گئی، دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم برسراقتدار تھی تو اس وقت موسیٰؑ اور ان کی قوم برسراقتدار نہ تھی، لہٰذا فرعون اور اس کی قوم

خدا کی خلیفہ تھی۔ لیکن موسیٰ اور ان کی قوم خدا کی خلیفہ نہ تھی، زیادہ مختصر اور واضح الفاظ میں فرعون خدا کا خلیفہ تھا لیکن موسیٰؑ خدا کے خلیفہ نہیں تھے۔ کیونکہ وہ برسرِاقتدار نہیں تھے۔ پہلے سے کیے ہوئے فیصلہ پر اور پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ پر جب قرآنی آیات کو چپکا کر مطلب نکالا جائے گا تو ایسا ہی مطلب نکلے گا۔

آئیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل کو کس کا خلیفہ اور وارث بنایا اور کس چیز میں خلیفہ اور وارث بنایا، تاکہ قارئین پر یہ بات واضح و روشن ہو سکے کہ یہاں موسیٰ بنی اسرائیل کو ان کے دشمن کے مال و اسباب میں جانشین بنانے کی خبر دے رہے ہیں، نہ کہ خدا کا خلیفہ بن جانے کی بشارت۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ثم بعثنا من بعدھم موسی بأیاتنا الی فرعون و ملائه فظلموا بھا فانظر کیف کان عاقبة المفسدین"۔ (الاعراف: ۱۰۳) "پھر ہم نے (مذکورہ رسُولوں کے بعد) موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس معجزات دے کر بھیجا تو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ پس ذرا غور کرو کہ آخر فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

سورۃ الاعراف کی اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۵۹ سے لے کر آیت ۹۳ تک پوری ۳۵ آیات میں سابقہ رسُولوں کے واقعات اور ان کی قوموں کا انجام بیان ہوا ہے۔ جن میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا واقعہ ہے اور آخری آیت ۹۳ میں حضرت شعیب کی قوم کا انجام بیان ہوا ہے۔ یعنی سورہ الاعراف کی ان آیات میں حضرت نوح کا آنا، ان کا اپنی قوم کو ڈرانا، اور ان کی ساری قوم کے کافروں کا طوفان میں غرق ہو جانا، پھر حضرت ہود کا آنا، ان کا اپنی قوم کو ڈرانا اور پھر ان کی ساری قوم کے کافروں کا عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جانا، پھر حضرت صالح کا آنا، ان کا اپنی قوم کو ڈرانا اور ان کی قوم کے تمام کافروں کا عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جانا، پھر حضرت لوط کا تذکرہ اور ان کی قوم کے تمام کافروں کا ہلاک ہو جانا۔ اور سب سے آخر میں حضرت شعیب کا واقعہ اور ان کی قوم کے تمام کافروں کا ہلاک ہونا بیان ہوا ہے۔ ان سب عذابوں میں تمام کافر ہلاک ہوتے رہے اور صرف ان رسُولوں پر ایمان لانے والے زندہ سلامت بچتے اور ان کی جگہ لیتے رہے اور وہ ان ہلاک ہونے والے کافروں کی زمینوں، مکانوں اور مالوں کے وارث اور مالک بنتے رہے اور ان کے "خلائف" اور "خلفاء" یعنی جانشین کہلاتے رہے۔ لیکن عذاب الٰہی کے آنے سے پہلے بھی اور عذاب الٰہی کے آنے کے بعد بھی خدائی اقتدار کے نمائندے اور خدا کی طرف سے واجب الاطاعت ہادی تو وہ رسُول ہی ہوتے تھے، ان کی قوم کے ہلاک ہونے والوں کے خلائف اور خلفاء بننے سے خدائی اقتدار کی نمائندگی ان کی طرف منتقل نہیں ہوتی تھی، واجب الاطاعت وہ رسُول ہی ہوتا تھا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله"۔ ہر رسُول کی اللہ کے حکم سے اطاعت فرض اور واجب ہے، چاہے اقتدار ظاہری اس رسُول کے پاس ہو یا نہ ہو، خدائی اقتدار کا حقیقی نمائندہ وہی ہوتا تھا اور وہی رہتا تھا۔ یعنی نوح

کی قوم پر عذاب آنے سے پہلے بھی نوح ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی قوم عاد کے ہلاک ہونے سے پہلے بھی ہود ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی قوم ثمود کے ہلاک ہونے سے پہلے بھی حضرت صالح ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی، فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے سے پہلے بھی موسیٰؑ ہی خدائی اقتدار کے نمائندہ تھے اور بعد میں بھی۔ پس موسیٰؑ کا اپنی قوم سے "لیستخلفکم" کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم خدائی اقتدار کے نمائندہ بن جاؤ گے یا تم خدا کے خلیفہ ہوجاؤ گے، بلکہ موسیٰؑ کے "لیستخلفکم" کہنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دشمن کی ہلاکت کے بعد ان کی زمینوں، مکانوں اور مالوں کے مالک و وارث ہوجاؤ گے۔ درانحالیکہ خدا کی طرف سے واجب الاطاعت اور خدائی اقتدار کا نمائندہ وہی ہوگا جو اب ہے۔ بہرحال وہ شعیب جن کا سب سے آخر میں ذکر آیا ہے وہی شعیب ہیں جو مدین میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰؑ اعلانِ نبوت سے پہلے جب مصر سے نکل کر مدین پہنچے تھے تو انہی کے پاس جاکر ٹھہرے تھے۔ لہٰذا اب خدا حضرت موسیٰؑ سے پہلے کے ان تمام پیغمبروں کا ذکر کرنے اور اپنے اپنے وقت پر ان قوموں کے تمام کافروں کو عذاب سے ہلاک کرکے ایمان لانے والوں کو ان کے مالوں اور زمینوں کا وارث بنانے کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ کر رہا ہے کہ ان مذکورہ رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انھوں نے بھی ظلم کا راستہ اختیار کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی خدا ہمیں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے کہ اب تم دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

"فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین"۔

"اب تم غور کرو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟"۔ اور فرعون اور اس کی قوم کا جو انجام ہوا اسے قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ: جب فرعون اور اس کی قوم کا تکبر، ان کا غرور اور ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو اس وقت حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا کی:

"فدعا ربہ ان ھٰؤلاء قوم مجرمون"

"تب (موسیٰؑ نے) اپنے رب سے دعا کی بار الٰہی یہ تو سب کے سب مجرموں کی قوم ہے، ان کا بیڑا غرق کردے"۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے حکم دیا:

"فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون و اترک البحر رھوا انہ جند مغرقون کم ترکوا من جنات وعیون وزروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذالک و اورثناھا قوم آخرین"۔ (سورۃ دخان ۲۳-۲۸) "اے موسیٰ! اب تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو ساتھ لے کر راتوں رات (مصر سے) چلے جاؤ (اور دیکھو یہ بات یاد رکھو کہ) تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا۔ لہٰذا تم دریا کو اپنی حالت میں ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہوجانا۔ (تمہارے دریا سے نکلنے سے پہلے ان کا سارے کا سارا لشکر دریائے نیل میں داخل ہوجائے گا۔ جس وقت وہ سارے کا سارا داخل ہوجائے گا تو اس وقت) اس لشکر کو ڈبو دیا جائے گا۔ (چنانچہ جو فیصلہ ہوچکا تھا وہ ہو کر رہا۔ اب تم دیکھو کہ) وہ لوگ کتنے کتنے باغ اور کتنے کتنے چشمے اور کتنی کتنی کھیتیاں

اور کیسے کیسے نفیس مکانات اور آرام و آسائش کی وہ چیزیں جن میں وہ عیش و آرام سے زندگی بسر کیا کرتے تھے چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔ (اب تم یہ بات ذہن نشین کرلو کہ ہمیشہ سے) ایسا ہی (ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا' یہ ہمارا قانون ہے۔ یہ ہماری سنت ہے کہ آخرکار ہم کافروں کو ظلم کرنے والے جابروں کو ہلاک کرکے ان کی بجائے ایمان لانے والوں کو ان کا وارث بنادیا کرتے ہیں۔ چنانچہ قوم فرعون کے بعد بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور ان تمام چیزوں کا جو فرعون اور اس کی قوم نے چھوڑا تھا) دوسروں (بنی اسرائیل) کو ان کا وارث بنادیا۔

ان آیات میں آیت ۲۷ کے بعد "قف" یعنی "وقفہ" سے پہلے ایک لفظ "کذالك" (یعنی اسی طرح) کتنا پر معنی ہے' کتنا شاندار ہے اور کتنا فصیح و بلیغ ہے۔ اس ایک لفظ میں قدرت نے سنت الٰہیہ اور اپنی عادت جاریہ کو سمو دیا ہے اور قانون خداوندی کو پورے طور پر بیان کردیا ہے۔ "کذالك" سے پہلے ہلاک ہونے والے تمام کافروں کا ذکر اور ان کی تمام چھوڑی ہوئی چیزوں کا بیان اور "کذالك" کے بعد "قف" کے ذریعہ توقف کا حکم اور پھر وارث ہونے والی قوم کا تذکرہ اور درمیان میں "کذالك" جو حرف تشبیہ ہے' لیکن یہ اکیلا لفظ یہ تنہا لفظ پورے قانون کی جان ہے اور دستور خداوندی اور سنتِ الٰہیہ کا نشان ہے۔ جس کا معنی ہے: "اسی طرح"۔ اور اس کا جواب ہوتا ہے: "جس طرح" یعنی جس طرح ہم نے یہ کام کیا ہے اسی طرح سے ہم یہ کام کرتے چلے آ رہے ہیں اور اسی طرح سے ہم یہ کام کرتے جائیں گے۔

گویا سورۃِ اعراف کی آیت ۸۹ سے آیت ۹۳ تک جو بات تفصیلی طور پر بیان کی تھی وہ صرف ایک تنہا اور اکیلے لفظ میں مجمل طور پر قانونِ قدرت کی حیثیت سے بیان کردی ہے اور یہی حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے وعدہ تھا اور اسکی ہی پیش گوئی کی گئی تھی۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: "قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون"۔ (الاعراف: ۱۲۹) "موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین (اور وارث) بنادے گا' پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔

اس سے ثابت ہوا کہ "لیستخلفکم" کا مطلب کافروں کو ہلاک کرکے ایمان لانے والوں کو زمین میں ان کی جگہ آباد کرنا' ان کا جانشین بنانا' ان کے مالوں کا مالک بنانا ہے جو خدائی اقتدار کے نمائندے یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے رسُول پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے تھے۔ لہٰذا یہ ایمان لانے والے ان ہلاک ہونے والے کافروں کی جگہ آباد ہوئے تھے اور ان کے جانشین اور وارث بنے تھے نہ کہ خدا کے خلیفہ بن گئے تھے۔ کیونکہ خدا کی قانونی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے نمائندے تو فرعون اور اس کی قوم اور لشکروں کے غرق ہونے سے پہلے بھی حضرت موسیٰؑ ہی تھے اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد بھی موسیٰؑ ہی تھے۔

﴿باب المتفرقات﴾
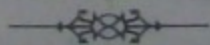
بزرگوں کی یاد منانا اور اس کی غرض و غایت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

زندہ قوموں کا دستور ہے کہ وہ اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی یاد منانے اور ان کے عظیم کارناموں کا تذکرہ کرکے نئی پود کے خون کو گرمانے اور ان میں جذبہ عمل پیدا کرنے کو اپنے لیے مایہ سعادت مندی اور اس میں تقصیر و کوتاہی کرنے کو گناہ تصور کرتی ہیں۔ اسلام بھی اسی فطری تقاضا کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ تعلیم دیتا ہے: ﴿ھل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾ محسن کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ جس قدر واقعہ کی اہمیت اور صاحب واقعہ کی عظمت ہوتی ہے اسی کے مطابق اس کی یادگار مہتم بالشان اور مؤثر ہوتی ہے۔ یادگاروں کے قائم کرنے کا خواہ وہ کسی قوم و ملت سے متعلق ہوں، مذہبی ضرورت سے قائم کی گئی ہوں یا قومی لحاظ سے، ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ تمام آنے والی نسلیں جب تک وہ یادگار قوم کے تغافل سے محفوظ اور اپنی قوت اثر کے لحاظ سے قائم رہ سکتی ہے اس سے فائدہ حاصل کرسکیں، کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس یادگار کے ہیرو کا کریکٹر و کردار ان کے پیش نظر ہوجائے۔ وہ اس کی ارادی و عملی قوتوں پر غور کریں، اپنے جذبات کی تصحیح اور شعار کی اصلاح میں اس کے واقعات سے مدد لیں تاکہ اگر کبھی زمانہ اور وقت اس کا مقتضی ہو تو دنیا کے سامنے ویسی ہی شاندار اور زریں مثال پیش کرسکیں۔ محرم کا حسینؑ ایسے ہی کریکٹر و کردار کا انسان تھا جس کے واقعات کا مطالعہ اور جس کی یادگار کا مشاہدہ ہر قوم و ملت کے افراد کے لیے یکساں مفید اور سبق آموز ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کی حفاظت، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں ایسی شاندار قربانیاں دی ہیں اور نوع انسان کو فلسفہ اخلاق کے وہ درس دیے ہیں کہ جن کی بدولت اقوام عالم میں انتہائی بلند و بالا مقام حاصل کرلیا ہے۔ آج وہ تنہا مدینہ و کربلا کا، شیعہ اور سنی مسلمانوں کا، ہندوؤں اور دوسری قوموں کا حسینؑ نہیں ہے بلکہ ایک انگریز کے قول کے مطابق تمام دنیا کا حسینؑ ہے۔ گویا ایسا پردرد واقعہ جس کی یاد ہر مؤمن کے لوح قلب پر کالنقش علی الحجر کندہ ہے۔ بظاہر کسی رسمی یادگار کا محتاج نہیں ہے لیکن یہ ایک ناشکر گزاری ہوتی اگر مسلمان اپنے محسن ہیرو کی جو اسلام کو نئے سرے سے زندہ کرنے والا اور اس کی بقاء ہستی کا باعث ہے اور جس کی عظیم الشان اور بے مثال قربانی پر اسلامی تاریخ جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے۔ کوئی یادگار قائم نہ کرے،

مسلمانوں نے یادگار قائم کی اور ایسی کی کہ دوسری قومیں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتیں۔ (مجاہد اعظم)

مجالس عزاء کی تاریخ وہ مثالی یادگار ہے حسین علیہ السلام کی مجلس عزاء جو اگرچہ سال بھر دنیا کے گوشے گوشے میں برپا رہتی ہے مگر محرم کے عشرہ میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ شہادت حسینؑ کے بعد اس غم کدۂ عالم میں پہلی مجلس عزا کب منعقد ہوئی؟ اس کا صحیح جواب دینا قدرے مشکل ہے۔ ہاں مختلف تاریخی آثار و اخبار سے اس قدر ضرور واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پہلی مجلس عزا اسیران اہل بیتؑ کی رہائی کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مخدرات عصمت و طہارت نے یزید کے دار الحکومت شام میں منعقد کی۔ پھر دوسری مجلس واپسی پر مدینہ پہنچنے کے بعد ہوئی۔ جس میں تمام مردوں اور عورتوں نے شریک غم ہو کر امام عالی مقامؑ پر گریہ و بکا کیا۔ پھر اسی تسلسل کے ساتھ ائمۂ اطہار علیہم السلام مخصوص طریقہ اور محدود پیمانہ پر مجالس عزا منعقد کرتے رہے۔ بالآخر دیلمی خاندان کے دور میں ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی اور آزادانہ طور پر مجالس عزا منعقد کی گئیں اور کھلم کھلا طور پر مظلوم کربلا کا ماتم کیا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر مختلف ادوار و اعصار میں جاری و ساری رہا۔ منجملہ ہندوستان میں مجالس عزا پر خاص توجہ کی گئی اور ان کو بام عروج تک پہنچایا گیا۔

مجالس و محافل کے فوائد و عوائد کا ایک شمہ ارباب عقل و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اگر ہماری یہ مجالس و محافل اور ماتمی جلوس صحیح طریقے و سلیقے سے انعقاد پذیر ہوں تو بے شمار فوائد و عوائد کے حامل ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ماضی کے بعض تاریک ترین ادوار اور نامساعد حالات سے گزرنے کے باوجود مذہب حق کی بقاء اور اس کی ترقی و اشاعت کا راز اسی عزاداریٔ سید الشہداء میں پوشیدہ نظر آتا ہے جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر جوزف نے اپنی کتاب "الاسلام والمسلمین" میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اب ذیل میں ان مجالس و محافل کے بعض فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ❶ یہ مجالس دینی معلومات حاصل کرنے کا وہ مدرسہ ہیں جن میں تمام طبقات کے لوگ شرکت کر کے دینی معلومات از قسم اصول و فروع دین، اسلامی تاریخ، تمدن و معاشرت، اخلاق اور سیرت معصومینؑ کے درس حاصل کرتے ہیں، جن سے اصلاح عقائد و اعمال میں خاصی مدد ملتی ہے۔ ❷ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ سے لوگوں کو اطاعت گزاری کا حکم اور غفلت شعاری سے ممانعت کر کے مقصد خلقت کی تکمیل میں مدد کی جاتی ہے۔ ❸ معصومین علیہم السلام کے فضائل اور صفاتِ جلیلہ اور مخالفین کے برے خصائل و صفاتِ رذیلہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے سامعین میں فطری طور پر اپنے اندر صفاتِ جمیلہ پیدا کرنے اور صفاتِ رذیلہ سے اجتناب کرنے کا ملکہ صالحہ پیدا ہوتا ہے۔ ❹ امام الشہداء علیہ السلام کے عظیم کارناموں کے تذکرہ سے سننے والوں کے اندر حق کی نصرت اور باطل کا مقابلہ کرنے کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ❺ یہاں چونکہ دین حق کی حفاظت و صیانت کے لیے خود اختیاری طور پر ائمہ طاہرین علیہم السلام اور بالخصوص امام

حسین علیہ السلام کے جانگداز مصائب برداشت کرنے کے تذکرے ہوتے ہیں جن سے ان کے نام لیواؤں کے دل میں مذہب کی حقانیت راسخ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی مذہب اہل بیتؑ ترک کر کے کسی اور مذہب کو اختیار نہیں کرتے۔ ❻ یہاں دین اسلام کے معارف و حقائق بیان ہوتے ہیں جن سے مقصد شہادت حسینؑ کی تکمیل ہوتی ہے۔ ❼ یہاں چونکہ مظلومین کی مظلومیت اور ظالمین کے واقعات ظلم و جور کو مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا جاتا ہے اس لیے سامعین کے دلوں میں مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت کا دلولہ پیدا ہوتا ہے۔ ❽ یہاں دنیائے دوں کی حقارت و بے ثباتی اور آخرت کی جلالت و ہمیشگی کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے سامعین میں زہد و تقویٰ جیسی جلیل القدر صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ❾ یہاں ائمۂ طاہرین علیہم السلام پر حمایت حق کی وجہ سے وارد شدہ مصائب و شدائد اور ان کے صبر و رضا کے تذکرے کیے جاتے ہیں جس کے سبب سے ان کے نام لیواؤں کے اندر صبر و رضا اور بالخصوص دین کے معاملہ میں وارد شدہ تکالیف برداشت کرنے کا خوابیدہ شوق بیدار ہو جاتا ہے۔ ❿ اس سے مجالس منعقد کرنے اور ان میں شرکت کرنے والوں کا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطیاب علیہم السلام کے ساتھ محبت اور قلبی لگاؤ کا عملی ثبوت مل جاتا ہے۔ کیونکہ محبوب کی خوشی سے خوش ہونا اور اس کے غم سے غمناک ہونا ایک فطری اور جبلی تقاضا ہے۔ اسی بنا پر امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ارشاد ﴿شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا یحزنون لحزننا و یفرحون لفرحنا﴾ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۹ طبع قدیم) اور حضرت باقر العلوم علیہ السلام کا فرمان ہے: ﴿شیعتنا من تابعنا فی افعالنا ولم یخالفنا واذا امنا امن واذا خفنا خاف﴾ ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہمارے اعمال میں ہماری پیروی کرتا ہے اور جب ہم امن میں ہوں تو وہ امن میں ہوتا ہے اور جب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی خائف ہوتا ہے۔ (تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۳۰۷، طبع تہران) تلك عشرة كاملة۔

انہی حقائق کی بنا پر حضرات معصومین علیہم السلام ایسی مجالس و محافل کو محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے صحابی فضیل سے دریافت فرمایا: اے فضیل کیا تم باہم بیٹھ کر اور مجالس برپا کر کے احادیث بیان کرتے ہو؟۔ فضیل نے عرض کیا: ہاں فرزند رسولؐ! فضیل کا یہ جواب سن کر امامؑ نے فرمایا: ﴿تلك مجالس انا احبها﴾ ایسی مجالس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا: ﴿رحم الله من احیی امرنا﴾ خدا اس بندے پر رحم فرمائے جو ہماری شریعت کو زندہ کرتا ہے۔

دعوت غور و فکر مجالس و محافل کے بے شمار فوائد میں سے اوپر صرف دس فائدے ذکر کیے گئے ہیں جو قطرہ از دریا و دانہ از انبار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن آئیے موجودہ مجالس و محافل کا اجمالی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آیا ان کے انعقاد سے یہ فوائد حاصل بھی ہو رہے ہیں یا نہیں؟۔ کیا ان میں صحیح عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے؟۔ کیا ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے؟۔ کیا کربلا والوں کے اتفاق و اتحاد کے تذکرے کرنے والوں کی اپنی صفوں میں اتحاد ہے؟ کیا مظلوم کی حمایت کے

دعویداروں میں آج ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کا جذبہ موجود ہے؟۔ غرضیکہ آیا ہمارے اخلاق و اطوار سے ہمارا حسینی ہونا واضح و آشکار ہوتا ہے؟۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حالات حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو ان سوالات کے جوابات نہایت مایوس کن سامنے آتے ہیں۔

موجودہ روش و رفتار پر تنقید اس میں کوئی شک نہیں کہ مجالس بہت ہوتی ہیں ان میں روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ظاہری مظاہر غم کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، بالخصوص محرم کے ایام میں تو کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ آیا شہادت امامؑ کی عِلت غائی اور اصلی مقصد یہی ہے کہ محرم کا چاند نظر آیا، ماتمی لباس پہنا، مجلس عزا منعقد کی، مرثیے اور نوحے پڑھے، لچھے دار تقریریں سنیں، آنسو بہائے، سر پیٹا، سینہ کوٹا اور بس۔ اگر مقصد شہادت صرف اتنا ہی ہے اور ہم نے اس سے یہی سبق حاصل کیا ہے تو دنیائے اسلام کے لیے یہ دوسری مُصیبت ہے جو حادثہ عاشورا سے کم نہیں ہے۔ اور یہ سراسر اس عدیم النظیر واقعہ کی توہین و تذلیل ہے۔

مجالس عزا بہترین عبادت اور ذریعہ بخشش ھیں

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس عظیم سانحہ کو زندہ رکھنے، جذباتِ غم و الم میں ہیجان پیدا کرنے اور حزن انگیز اسباب میں اضافہ کرنے کی خاطر ماتمی جلوسوں اور دیگر مظاہر غم کے افادی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اس حقیقت میں بھی کسی مُحِبِ اہل بیت کو کوئی شک و شبہ نہیں ہوسکتا کہ امام الشہداءؑ یا دوسرے ائمۂ ہدیٰ علیہم السلام کے نام پر مجالس عزاء یا محافل میلاد منعقد کرنا بہترین اسلامی عبادت اور بخشِش گناہان کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہے، جیسا کہ کامل الزیارہ، ثواب الاعمال اور عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب مُعتبرہ میں نثر و نظم کے ذریعہ ذکر مصائب کرنے اور رونے و رلانے کی فضیلت میں بکثرت احادیث شریفہ موجود ہیں۔ (ہم نے ان کا ایک شمہ اپنے رسالہ اصلاح المجالس میں نقل بھی کیا ہے) لیکن بایں ہمہ ارباب عقل و دانش پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ماتمی جلوس ہوں یا مجالس عزا، یہ اصل مقصد کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مجالس کی موجودہ روش میں اصلاح کی ضرورت ھے

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود آیا وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے؟ اور ان مجالس سے مطلوبہ نتائج و آثار ان پر مترتب ہورہے ہیں؟۔ آج ہر ہمدرد قوم و ملت کے قلب حساس میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔ یہاں پھر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟۔ جواب میں اس تلخ حقیقت کا اِعتراف کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ موجودہ طرز مجالس میں کچھ خامیاں و خرابیاں موجود ہیں، جن کی وجہ سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہورہے۔ بنا بریں موجودہ طرز میں اِصلاح کی ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے۔ پہلے: ان مجالس کا طریقہ وہ ہونا چاہیے جو ائمہ اہل بیتؑ کا تھا۔ مجالس عزا کو بزم مشاعرہ اور جلسہ موسیقی نہ بنایا جائے۔ دوسرے: رسُوم کو بھی ایسے سادہ اصول سے ادا کیا جائے جو ہر قسم کی لغویات تصنع اور نمود و نمائش سے مبرا ہوں، نہ ایسے طریقے پر کہ مخالف مضحکہ

اڑائیں۔ تیسرے: مراسم یادگاری اس طرح ادا کی جائیں کہ بدعات سیئہ و حرکات نامشروع کی حد تک نہ پہنچیں اور اس مصرع کی مصداق نہ بنیں کہ:

ماتم کریں حسینؑ کا لوٹیں حسن پورہ

(مجاہد اعظم حصہ اول)

ہم اس کے قائل نہیں کہ اگر کسی مسجد میں قوالی ہوتی ہو یا کسی بزرگ کی قبر پر عرس تو مسجد گرادی جائے یا قبر اکھاڑ دی جائے یا اگر باغ میں کچھ خس و خاشاک پڑجائے تو باغ تباہ کردیا جائے، بلکہ غلط رسم کا استیصال کرنا چاہیے۔ لہذا اگر ہماری موجودہ مجالس میں کچھ نقائص ہیں اور یقیناً ہیں از قسم بد اعتقادی، بدعملی، بے اخلاصی اور رسم پرستی وغیرہ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ مجالس ہی بند کردی جائیں، بلکہ ان کی اصلاح ہونی چاہیے تاکہ گلزار عزائے حسینی سے یہ خس و خاشاک دور ہوجائے۔

اصلاح احوال کی ذمہ داری یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اصلاح کون کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس اصلاح کی ذمہ داری کسی ایک فرد یا ایک گروہ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مجالس پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والے سب طبقات پر عائد ہوتی ہے جو کشتی قوم کے ناخدا ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہذا اگر یہ طبقہ بعض اغراض فاسدہ کا شکار ہوکر اپنی شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش نہیں کرے گا تو خدا و رسولؐ کی لعنت میں گرفتار ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات و الهدیٰ من بعد ما بیناه للناس فی الکتاب اولئک یلعنهم الله و یلعنهم اللاعنون (سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۹) اور جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ان پر نازل کرچکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کردیا ہے۔ یقیناً ان ہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ (ترجمہ مقبول)

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة الله۔ جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہوجائیں تو عالم دین کو چاہیے کہ اپنے علم کا اظہار کریں، سو جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔

(اصول کافی صفحہ ۳۰ باب البدع والرأی والمقائیس)

اس شرعی ذمہ داری کے ادا نہ کرنے کی اس تہدید و وعید کے پیش نظر ہم نے اصلاح احوال کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، اگرچہ ہمیں اس کی بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑ رہی ہے، مگر ہم نے بعونہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ہر تکلیف برداشت کرنے کا عزم بالجزم کرلیا ہے۔ لعنت خداوندی کے بالمقابل سب کچھ ہیچ ہے۔ ہم سے تو انسان ضعیف البنیان کو خوش کرنے کی خاطر خالق دوجہان کو ناراض کرکے اس کی لعنت کا طوق اپنی کمزور گردن میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ اب حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ہم نہ تو مجالس عزا کے خلاف ہیں (معاذاللہ) اور نہ واعظین و ذاکرین کی ذات سے ہمیں کسی قسم کی کوئی کد و کاوش ہے، بلکہ مقصد صرف اصلاح احوال کی کوشش کرنا ہے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب والله علی ما نقول وکیل۔

اَخبارِ غم

❶ حجۃ الاسلام مولانا رانا محمد نواز کے چچازاد بھائی مرید حسین دھیروال تحصیل ساہی وال ضلع سرگودھا میں رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کا صبر و اجر سے نوازے۔ (شریک غم ادارہ)

❷ برگیڈیئر غلام حیدر صاحب کے والد صاحب بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے مرد مومن تھے، اور اگلے زمانے کی شرافت اور وضع داری کا نمونہ تھے۔ دعا ہے کہ خداوندعالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبرو اجر سے نوازے بجاہ النبی و آلہٖ۔

❸ آہ جناب مہر کاظم علی صاحب مرحوم

ہم نے بڑے دکھ درد کے ساتھ یہ خبر غم اثر سنی کہ جناب مہر کاظم علی صاحب رئیس تحصیل احمد پور ضلع جھنگ ہارٹ پرابلم سے اچانک لقمہ اجل بن گئے اور پورے خاندان اور احباب کرام کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں چلے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوندعالم جناب مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے بحق النبی و آلہ الطاہرینؑ۔

(شریک غم ادارہ)

❹ جناب حاجی اختر حسین خان کو صدمہ۔

ہم نے بڑے غم واندوہ کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر سنی کہ جناب حاجی اختر حسین صاحب آف ددانہ بلوچاں حال وارد سرگودھا کے والد ماجد مختصر علالت کے بعد راہیٔ ملک بقا ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوندعالم مرحوم کو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے جوار پر انوار میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرواجر سے نوازے۔ انہٗ قریب مجیب بحق النبی و آلہٖ۔ (شریک غم ادارہ)

❺ جناب سید مہر حسین شاہ آف تھوڑالا کو صدمہ۔

حلقہ احباب میں یہ خبر بڑے دکھ درد کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب سید مہر حسین شاہ صاحب آف تھوڑالا ضلع سرگودھا کے برادر بزرگ جناب سید غلام شبیر شاہ صاحب مرحوم وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوندعالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے اور آئندہ ان کو ہر قسم کے مصائب سے محفوظ رکھے آمین یارب العالمین بحق النبی و آلہ الطاہرینؑ۔

شریک غم ادارہ)

﴿اِداریہ﴾

مفکرِ اسلام آیۃ اللہ محمد حسین النجفی دام ظلہ العالی کی پچاس سالہ دینی خدمات

حضرت آیۃ اللہ علامہ محمد حسین النجفی ۱۹۶۰ء میں حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن مالوف پاکستان تشریف لائے تو قدوۃ السالکین پیر سید فضل شاہ اعلی اللہ مقامہ اور سادات جہانیاں شاہ اور دوسرے اکابرین سرگودھا نے اتفاق رائے سے دار العلوم محمدیہ سرگودھا کی پرنسپلی آپ کو پیش کی۔ آپ گیارہ سال تک اس ادارہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پاکستان میں ملت شیعہ عقائد اور اعمال کے لحاظ سے کافی حد تک کمزور تھی، آپ نے ان سب حالات کو دیکھ کر میدان عمل میں قدم رکھا اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اصلاح المجالس والمحافل تحریر فرما کر تطہیر منبر کی کوششوں کا آغاز فرمایا اور ملک بھر میں تبلیغی دورے کرکے درستی عقائد و اعمال کی سعی بلیغ انتہائی لگن اور استقامت کے ساتھ جاری و ساری رکھی، اس دور کے بزرگ علماء نے کے بھرپور ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری و ساری رکھا۔ احسن الفوائد و اصول الشریعہ جو کہ درستی عقائد کے لیے نادر کتب ہیں، تصنیف فرما کر قوم اور آئندہ نسل پر احسان فرمایا۔ مذہب حقہ امامیہ اثنا عشریہ کی صداقت پر تجلیات صداقت اور اثبات الامامت آپ کی لاجواب کتب منظر عام پر آنے کے بعد آپ کے علمی مقام اور قابلیت کا لوہا اپنوں بیگانوں نے تسلیم کیا۔ غرض پورے ملک میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔ آپ کی مخالفت کرنے والے بھی کم نہ تھے، مگر سب کے سب ناکام و نامراد رہے۔ آپ کی تصنیفات عقائد، اعمال، تفسیر، حدیث، مقتل، علم کلام اور اکثر دینی علوم پر محیط ہیں۔

ہمارے خیال میں حضرت آیۃ اللہ پاکستان میں وہ واحد شخصیت کے مالک ہیں کہ جنھوں نے شیعی دنیا میں ایک انقلاب برپا کرکے دینی اور مذہبی حلقوں کو حقیقی تعلیمات اسلامیہ امامیہ اثنا عشریہ سے روشناس کرایا، بدعات، ضلالت اور گمراہی کے بادل چھٹ گئے اور اسلام کے اصلی اصول و عقائد اور اعمال لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوگئے۔ اس وقت آپ کے معتقدین اور مقلدین کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ بستی توحید ضلع لیہ کے مولانا ارشاد حسین توحیدی اور ان کے رفقائے کار نے آیۃ اللہ علامہ نجفی کی عزت افزائی اور قدردانی کے لیے پچاس سالہ خدمات پر گولڈن جوبلی کا اہتمام کرکے اچھی روایت قائم کی ہے۔ اس اقدام سے دیگر علماء کی حوصلہ افزائی میں مدد ملے گی اور محسن قوم و ملت حضرت آیۃ اللہ نجفی کی خدمات دینی کا اعتراف، ان کی خدمت میں اظہار تشکر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آیۃ اللہ علامہ نجفی کی عمر دراز فرمائے تاکہ مسلم قوم ان کے علم و عمل سے تادیر استفادہ کرتی رہے۔

نذرانہ عقیدت بخدمت آیت اللہ نجفی صاحب مدظلہ

نتیجہ فکر: استاذالخطاطین سید وزیر حسین شیرازی مرحوم

مداح خاص فاتح بدر و حنین ہیں
سرچشمہ علوم محمد حسین ہیں

ہے ربط ان کے دل کو رسالت مآبؐ سے
کرتے ہیں اکتساب ضیائے بو تراب سے

فضل خدا سے علم کے ہیں بحر بے کنار
ہیں رزم گاہ فن خطابت کے شہسوار

جو تشنگان علم بھی آتے ہیں ان کے پاس
کرتے ہیں ان کو علم رسالت سے روشناس

بخشا ہے ان کو ذات مقدس نے وہ مقام
کرتے ہیں خاص و عام تہِ دل سے احترام

پابند ہیں اصول کے اس میں نہیں کلام
طے کرکے فیس پڑھنا سمجھتے ہیں وہ حرام

منبر پہ بیٹھتے ہیں بڑی آن بان سے
کرتے ہیں ذکر آل محمدؐ کا شان سے

وقت خطاب شعر بھی پڑھتے ہیں بر محل
تقریر ان کی ہوتی ہے بس سر بسر عمل

فن مناظرہ میں ہیں یکتائے روز گار
کرتے ہیں لا جواب حریفوں کو بار بار

ڈٹ جاتے ہیں وہ حق وصداقت پہ اس طرح
دیوار کوئی سیسہ پلائی ہو جس طرح

لکھی ہیں آج تک جو کتابیں ہیں لا جواب
تصنیف میں بفضل خدا ہیں وہ کامیاب

کرتے ہیں جو بھی بات وہ ہوتی ہے با دلیل
خوش پوش و خوش مزاج ہیں وہ فاضل جلیل

کم کچ مسودات میں کرتے ہیں اس قدر
ہوتے ہیں خوش نویس پریشان دیکھ کر

یا رب وزیر عاصی کی منظور کر دعا
بہر ولائے حیدری فرزند کر عطا

سرکار آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی

ایک نابغہ روزگار شخصیت

❶ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں اور مشاہدہ بھی شاہد صادق ہے کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص عمدہ مقرر ہوتا ہے وہ اچھا مدرس نہیں ہوتا ہے اور جو اچھا مدرس ہوتا ہے وہ اعلیٰ مصنف نہیں ہوتا اور جو اعلیٰ قسم کا مصنف ہوتا ہے وہ اچھا مقرر و مدرس نہیں ہوتا۔ مگر قدرت قادر مطلق کسی انسان سے کوئی اعلیٰ کارنامہ انجام دلوانا چاہتا ہے تو اسے بیک وقت تمام توانائیوں سے نواز دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا انسان جہاں اعلیٰ پایہ کا مدرس ہوتا ہے وہاں بلند پایہ مصنف بھی ہوتا ہے، اور جہاں وہ شیوہ بیان خطیب ہوتا ہے وہاں صاحب طرز ادیب بھی ہوتا ہے، گو ایسے افراد صدیوں میں ہوتے ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

چنانچہ سرکار علامہ نجفی صاحب مدظلہ کو قدر کاملہ نے ان تمام ملکات عالیہ سے نوازا ہے۔ فن خطابت میں وہ اس شعر کے مصداق ہیں: ؎

خدا سے علم کے ہیں بحر کنار
ہیں رزم گاہِ فن خطابت کے شہسوار

اور میدان تصنیف و تالیف کے وہ یکہ تاز شاہسوار ہیں کہ بقول شاعر: ؎

لکھی ہیں آج تک جو کتابیں ہیں لا جواب
تصنیف میں بفضل خدا ہیں وہ کامیاب

اور بفضلہ تعالیٰ درس و تدریس میں وہ یگانہ روزگار مدرس ہیں۔ الغرض: ؎

مداح خاص فاتح بدر و حنین ہیں
سر چشمۂ علوم محمد حسین ہیں

وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

(تاثرات اکثر مومنین کرام)

❷ سرکار آیت اللہ النجفی مدظلہ ہر فن مولا ہیں

خداوند عالم نے بڑی فیاضی سے سرکار علامہ کو بعض خصوصیات سے نوازا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر فن مولا ہیں۔

چنانچہ عمدۃ المحققین مولانا حکیم امیرالدین مرحوم صاحب فلک النجاۃ سرکار موصوف کی اثبات الامامت کی تقریظ کے ضمن میں فرماتے ہیں: "مجھے زندگی میں علماء عرب و عجم کے مختلف علمی مسائل میں گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہر ایک کو کسی ایک فن میں ماہر پایا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت علامہ کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ وہ ہر فن مولا

ہیں۔ جس موضوع اور جس فن پر گفتگو کی جائے وہ اس میں ماہر نظر آتے ہیں"۔

● بلندی اخلاق کا نادر نمونہ

فیاض ازل نے سرکار علامہ نجفی مدظلہ کو اخلاق عالیہ، صبر وتحمل اور برداشت کے اعلیٰ ملکات سے یوں نوازا ہے کہ آپ کے مخالفین مخالفت کر کے اور ان کا شکوہ و شکایت کر کر کے تھک جاتے ہیں مگر وہ کسی کو رسید بھی نہیں دیتے اور نہ ہی ان کو منہ لگاتے ہیں۔

● سرکار علامہ کا بے مثال استقلالِ مزاج

سرکار علامہ نجفی مدظلہ ۱۹۶۰ء میں نجف اشرف سے فراغت کی سند لے کر وارد پاکستان ہوئے اور یہاں آکر علوم سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تقریر و تحریر اور درس و تدریس کے ذریعہ سے نشر و اشاعت شروع کی اور ان کے خلاف مخالفت کے طوفان کھڑے کیے گئے، ان کی پوری پچاس سالہ لائف گواہ ہے کہ مخالفت کرنے والے کچھ مر مٹ گئے اور کچھ تھک ہار کر خاموش ہو گئے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش واقع نہیں ہوئی۔ ؂

ڈٹ جاتے ہیں وہ حق و صداقت پہ اس طرح
دیوار کوئی سیسہ پلائی ہو جس طرح

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ؂

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ادارہ دقائق اسلام

آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی

کی پچاس سالہ خدماتِ دین کے اعتراف

کے سلسلہ میں

گولڈن جوبلی

پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

خداوند کریم قبلہ صاحب کی

توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے
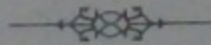
ادارہ کی فخریہ مطبوعات

مولفہ :

خطیب اہل بیت ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

- کمالات علویہ در موازین علمیہ
- تبصرۃ المغموم فی اجوبۃ اصلاح الرسوم
- عہد ساز شخصیت تاریخ ساز کارنامے
- شیعیت اور شیعیان علی (زیر طبع)
- یا امام المنتظر العجل العجل (زیر طبع)
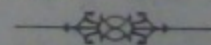
عہد ساز شخصیت تاریخ ساز کارنامے

تحریر: ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علم اور علماء کی بات ہو تو تاریخ اسلام کے اندر علماء کرام اور فقہاء عظام کا ایک ایسا مقدس سلسلہ نظر آتا ہے کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السّلام نے اپنے اپنے ادوار پر انوار میں تبلیغات دین اسلام کی اشاعت پر بہت زور دیا اور دنیا کے کونے کونے میں دین اسلام کو پھیلانے کی خاطر اپنے خصوصی شاگردان تیار کیے جو اپنے علم و عمل سے خداوند کریم کے دین مبین شریعت محمد مصطفےٰؐ اور تبلیغات ائمہ طاہرینؑ کو پھیلاتے رہے اور شیعیان علی علیہ السّلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ فرماتے رہے۔ لیکن اس اشاعت دین اور فروغ تشیّع میں طرح طرح کی تکالیف اٹھائیں، گھر بار لٹوائے، حتیٰ کہ اپنی جانیں جاں آفریں کے حوالے کیں، لیکن کلمہ حق کہنے سے گریز نہ کیا، بلکہ جاء الحق و ذہق الباطل کی مکمل تصویر بن گئے اور قدر دان لوگ ان علماء کی قدر دانی کرتے رہے۔ جیسا کہ آج چھ مارچ ۲۰۱۱ء اتوار کا دن ایک ایسے ہی عظیم عالم مفکر اسلام مفسر قرآن فقیہ فقہ اہل بیت علیہم السّلام سرکار علامہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی کی پچاس سالہ خدمات دین کے اعتراف کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ میری نگاہ میں جہاں سرکار علامہ مدظلہ کی خدمات قابل تعریف و تحسین ہیں، وہاں یہ لوگ اور یہ دھرتی اور خصوصاً میرے برادر محترم حجۃ الاسلام مولانا ارشاد حسین توحیدی اور ان کی ٹیم کے دوسرے بزرگان و نوجوانان بھی قابل تعریف ہیں کہ جن کے دلوں میں علماء اور ان کے علم کی قدر ہے۔ اور اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے اس عظیم ہستی اور اہل علم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔ یہ سعادت عظمیٰ ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خداوند کریم اپنے نیک بندوں کو یہ توفیق عطا فرماتا ہے، ورنہ اگر تاریخ انسانیت پر نگاہ دوڑائی جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ انبیاء کرامؑ ہوں، ان کے اوصیاء ہوں یا دیگر وہ ہستیاں جنھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نبھایا ہے ان کو لوگوں نے اپنے دست ستم کا نشانہ

بنایا ہے۔ لیکن جو حق پر تھے انھوں نے اپنا حق ادا کرتے ہوئے علم حق ہمیشہ بلند رکھا۔ ان حق پرست ہستیوں میں سے حضرت شیخ صدوق، شیخ یعقوب کلینی، شیخ مفید، علامہ باقر مجلسی، شیخ عباس قمی و دیگر بزرگان جن کی بہت زیادہ خدمات ہیں، بعد میں آنے والے دیگر مجتہدین عظام اور علماء کرام جن کے اسماء گرامی ایک لمبی فہرست ہے، خداوند کریم نے ان کو توفیق بخشی اور ہمت عطا فرمائی کہ وہ دین و دنیا میں علوم الٰہیہ کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔

مذہب اسلام اور خصوصاً تشیّع کے بارے میں ہر دور میں ستم کی داستانیں رقم کی گئیں۔ بنو امیہ کا دور ہو یا بنو عباس یا بعد میں آنے والے ظالم اور جابر دشمنان آل محمد کا دور ہو، ہر دور میں شیعیت اور شیعیان علی اور عزاداران حسین کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ یزیدی قوتیں اور عباسی دولت و اقتدار اور جبر و تشدد کی حامل دیگر قوتیں پوری کوشش کرنے کے باوجود نہ تشیّع کو مٹا سکیں اور نہ ہی شیعیان علی کو

ہر دور میں ہوتی رہی طاقت کی پرستش
ہر دور یزیدوں کا طرف دار رہا ہے
اور
نہ مٹا مٹ نہ سکا نام تیرا اے مولا
خود ہی مٹ گئے تجھ کو مٹانے والے

شہید اول ہوں یا شہید ثانی، ان کی قربانیاں بھلائی نہیں جا سکتیں۔ شہید ثالث جناب قاضی نور اللہ شوستری کی جن کی قبر مبارک آگرہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، جن کے سر مبارک پر تانبا گرم کرکے ڈالا گیا کہ ان کا دماغ ابل کر باہر آگیا، پھر ان کے جسم کو جلایا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟۔۔۔۔ صرف یہی کہ وہ صحیح محبِ اہل بیتؑ تھے اور تعلیمات محمد و آل محمد علیہم السلام کی تبلیغ و ترویج کر رہے تھے۔

شہید رابع آقائے باقر الصدر شہید اور ان کی ہمشیرہ محترمہ کو صدام لعین نے کس بے دردی کے ساتھ شہید کیا۔ آقائے محسن حکیم اعلی اللہ مقامہ جو کہ قبلہ محترم علامہ صاحب مدظلہ کے استاد تھے، ان کو اور ان کے خاندان کو کس ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ شہید ثالث کو جہانگیر بادشاہ نے شہید کرایا تھا۔ اور جس وقت شہید ثالث کو شہید کیا جا رہا تھا، اس وقت کچھ درباری ملاں بادشاہ کی خوشامد کر رہے تھے اور داد دینے کی خاطر تالیاں بجا رہے تھے۔ اور شہادت شہید ثالث پر خوش ہو رہے تھے۔ ان سے قدرت نے اس طرح انتقام لیا کہ جہانگیر کی بیوی نے ان سارے درباری ملاؤں کو اپنے محل میں کھانے کی دعوت دی، جب یہ سارے خبیث ہکادمال اندر آ گیا، ملکہ کے حکم سے کھانے میں زہر ملا دیا گیا اور یہ سارے لعین اس طرح مر گئے۔

اور جس نے آقائے باقر الصدر اور آقائے محسن الحکیم کے خاندان کو شہید کیا، خدا نے اس کو ایسا برباد کیا کہ سوائے لعنت کے اس کا نام لینے والا کوئی نہیں۔

اے شیعیان حیدر کرام! آؤ جہالت کی پٹیاں اپنی آنکھوں سے اتار کر دیکھو۔ آج اس دور میں مذہب شیعہ خیرالبریہ کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج کون سے علماء کر رہے ہیں، اور شیعیت کی جڑیں کون کاٹ رہے ہیں، مذہب شیعہ کے اندر کبھی شیخیت کی خود رو جڑی بوٹیاں اگ آتی ہیں اور کبھی نصیریت کا بیج بونے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن خالق کائنات ہر دور میں ایک ایسا مجدد محدث اور مجاہد بھیج دیتا ہے کہ جو دین حق کے اس مقدس باغ میں سے شیخیت و نصیریت، تقصیر و وہابیت کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ ان ہستیوں میں سے ایک ہستی کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی ہے۔ جن کے متعلق ایک اہل علم نے کہا تھا کہ اگر اس دور میں سرکار علامہ کی ذات نہ ہوتی تو ہم مشرک ہو کر مرتے اور ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ حقیقی اسلام و امامت کیا ہے۔

سرکار علامہ مدظلہ العالی کی زات اور شخصیت پر اس فقیر نے بھی ایک مختصر سی کتاب تحریر کی جس کا عنوان ہے "عہد ساز شخصیت۔ تاریخ ساز کارنامے" جس میں سرکار علامہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سرکار علامہ مدظلہ کی زندگی کے شب و روز

علامہ صاحب قبلہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بات چیت مذکورہ بالا کتاب میں آ چکی ہے، یہاں پر مختصرا بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ صاحب قبلہ کی زندگی کے شب و روز انتہائی تگ و دو اور محنت و کاوش سے بھرپور ہیں۔ مختلف محاذوں پر جنگ جاری ہے اور یہ جنگ جہد مسلسل اور جہاد جاریہ کے طور پر ہے کہ مذہب اہل بیتؑ پر طرح طرح سے حملے ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی اسلام کا ٹھیکیدار بن کر آتا ہے اور مذہب اہل بیت پر حملہ آور ہوتا ہے، تو سرکار علامہ مدظلہ اس کا مقابلہ تحریر و تقریر سے کرتے ہیں اور تجلیات صداقت اور تنزیہ الامامیہ جیسی عظیم کتب لکھ کر دشمنان علیؑ کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔ کبھی کوئی شیخی، مقصر، وہابی، غالی اسلامی لبادہ اوڑھ کر آتے ہیں اور تشیع کو ختم کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں تو سرکار علامہ مدظلہ اصول شریعہ، احسن الفوائد اور فقہ کی کتب قوانین الشریعہ لکھ کر مذہب کی حقانیت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ کہیں کوئی واقعات کربلا اور تاریخ کربلا کو مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر سرکار علامہ کا قلم حرکت میں آ جاتا ہے اور سعادۃ الدارین جیسی عظیم اور تحقیقی کتاب لکھ کر صحیح تاریخ اور حقائق کو سامنے لے آتے ہیں۔

قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر ہو یا حدیث کی کتب ہوں، علامہ صاحب نے ہر فیلڈ میں قوم کو راہنمائی عطا فرمائی ہے۔

منبر کی تطہیر اور مجالس کی صحیح روش و رفتار قائم کرنے کے لیے سرکار علامہ نے تقاریر اور تحریروں کے ذریعہ انتہائی محنت کی، اور عوام الناس میں آگاہی پیدا کی۔ "اصلاح المجالس و المحافل" نامی رسالہ لکھا، جس

کے میدان میں آتے ہی پیشہ ور قسم کے ذاکرین و مقررین میں ہلچل مچ گئی کہ اگر یہ مکا ختم ہو گیا تو پھر ہماری روزی ختم ہو جائے گی اور حالت یہ ہے کہ بعض بانیان مجالس بھی مخالفت کرنے پر اتر آئے۔ حالانکہ اگر شور مچاتے تو وہ لوگ جن کی روزی متاثر ہو رہی تھی، الٹا بانیان نے بھی شور مچانا شروع کر دیا، حالانکہ ان کا فائدہ اسی میں تھا اور قبلہ صاحب کا وہ فقرہ کہ "خونِ حسینؑ کو ذریعہ تجارت نہ بناؤ"۔ ان پیشہ وروں کو کھا گیا۔

ہاں البتہ ایک شکوہ ان لوگوں یعنی مقررین سے ضرور ہے کہ جو علماء کی صف میں شمار ہوتے ہیں اور قبلہ صاحب کے مقلدین بھی ہیں، یا کم از کم ان کے اس مقدس مشن میں شریک کار سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی پیسہ اور دولت کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور لاکھوں کے سودے وہ بھی کرنے لگ جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ ذاکرین کی گھڑی ہوئی روایات اور بند صرف لوگوں کو رلانے کے لیے دھر دیتے ہیں۔ چونکہ لوگ اس بات پر روتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں۔

استقامت

ہر کام اور تحریک کے لیے اِستقامت کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ جتنی بھی مشکلات آئیں پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔ لیکن دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ بڑے بڑے بلند بانگ دعوے کرنے والے مخالف ہواؤں کے تھپیڑوں سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ لیکن یہ اعزاز اسی ہستی یعنی سرکار علامہ صاحب قبلہ کو ہے کہ جو لفظ پہلے دن زبان سے نکلا وہ آج بھی ہے۔ اور جو مشن پہلے دن سے تھا وہ آج بھی ہے۔ خونِ حسینؑ کی تجارت کو نہ اس وقت اچھا جانا، نہ اب جانتے ہیں، حالانکہ ان کے ساتھ چلنے والے کئی ہمراہیوں کے قدم ڈگمگا گئے۔

مخالفین کے پروپیگنڈے اور سرکار علامہ مدظلہ کی روش و رفتار

مخالفین نے مختلف قسم کے زہریلے پروپیگنڈے کیے۔ بدنام کرنے کی کوشش کی، ان کی ذات پر حملے کیے، ان کی اولاد پر افتراء پردازیاں کیں، لیکن حق حق ہوتا ہے، اور اکثر لوگوں کو دیکھا کہ آخر وہ معافی مانگنے پر مجبور ہوئے کہ سنا کیا تھا اور دیکھا کیا ہے۔ لیکن سرکار علامہ صاحب نے ہمیشہ سیرت زین العابدینؑ پر عمل کرتے ہوئے عفو و درگزر کا شیوہ اپنایا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جیسے آج ہم قبلہ صاحب کی خدمات کے اعتراف میں گولڈن جوبلی منا رہے ہیں اسی طرح خداوند ان کو اتنی لمبی عمر عطا فرمائے کہ ہم اور ہماری اولادیں ان کی ڈائمنڈ جوبلی منائیں اور وہ اسی طرح دین مبین کی خدمت کرتے رہیں۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ملتمس دعا

ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

حضرت آیت اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

تحریر: مولانا طاہر عباس اعوان فاضل قم مقدسہ

آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی المعروف بہ ڈھکو صاحب قبلہ کی ولادت ۱۹۳۲ء میں پاکستان کے صوبہ پنجاب ضلع سرگودھا کے موضع جہانیاں شاہ ایک علمی اور متدین خاندان میں ہوئی۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ جناب تاج الدین صاحب مرحوم ۱۹۳۲ء کے ہاں متولد ہونے والا یہ بچہ آگے جا کے سرزمین پاکستان میں ایک ایسا درخشاں ستارہ بن کے آسمان شیعیت کے افق پر طلوع ہوگا کہ جس کے علم کی روشنی سے اپنوں اور بیگانوں سب کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ الکلام یجر الکلام ہم جب سرزمین برصغیر پاک وہند کا علوم اسلامی کے شیعہ ماہرین کے حوالہ سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ علم کی اس پیاسی سرزمین پر شیعیت کے حوالے سے بہت کم ایسی شخصیات نے قدم رکھا ہے کہ جنھوں نے لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر ہر باطل تحریک کے پیشواؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر علم و عمل کی حیدری ذوالفقار کے ذریعہ سے باطل کی فکری اور عقیدتی خرافی وانحرافی عبا کو تار تار کر دیا ہو۔ برصغیر ہند و پاک میں جس طرح باطل سے ٹکرانے والوں کی تعداد انگشت شمار رہی ہے بالکل اسی طرح میدان علم و عمل میں بھی بہت کم ایسے شہسوار پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے علوم اسلامی کے اکثر شعبہ جات میں قوم و مذہب کی قلیل مدت میں کثیر خدمات انجام دی ہوں۔ سرزمین برصغیر نے اگرچہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء اعلام پیدا کیے ہیں جن کے حالات زندگی اور ان کے آثار علمی دیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل مرحوم (۱۳۴۱ھ۔۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۲۳۔۱۹۸۷ع) کی کتاب "مطلع انوار" جس میں تقریباً ہندوستان اور پاکستان کے نو سو سے زیادہ علماء اعلام کے حالات زندگی اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے۔

مولانا سید حسین عارف نقوی مدظلہ کی کتاب (تذکرۂ علماء امامیہ پاکستان) کی ۲ جلدیں۔ ان دونوں کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ تذکرۂ علماء امامیہ پاکستان کی دوسری جلد شمالی علاقہ جات کے علماء کرام کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور اسی طرح حال ہی میں مولانا سید سعید اختر مرحوم کی کتاب "خورشید خاور" جو کہ درحقیقت مطلع انوار کے بعض اشتباہات کی اصلاح اور اس کے تتمہ کے طور پر لکھی

گئی ہے، اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتب علماء اعلام نے تحریر فرمائی ہیں، جن میں سے اکثر کے اسماء تذکرۃ علماء امامیہ کے مقدمہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں پائے جانے والے علماء کرام میں سے بعض ایسے افراد بھی موجود ہیں جن پر ذہانت، فطانت، فہامت اور قوت حافظہ کے حوالہ سے مبداء فیض خدائے لم یزل و لا یزال کی طرف سے بڑی فیاضی ہوئی ہے اور پھر ان ہستیوں نے بھی شکر نعمت کرتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شب و روز ایک کر کے کثرت مطالعہ، مباحثہ، درس، تدریس، تحقیق و تالیف اور کتب علمیہ کے تراجم کے علاوہ علم کو قلیل مدت میں حاصل کر کے اپنے سفینہ علم کو دریائے علم کے اس کنارے جا رکا کہ جہاں پر مجتہدین عظام و علماء اعلام اپنے شاگردوں کو ان کی علمی صلاحیتوں کی داد و تحسین دیتے ہوئے اجازہ ہائے روایت و اجتہاد سے نوازتے ہیں۔ اور یہی چیز بعض کوتاہ اندیش احباب اور کور باطن حاسدین پر ناگوار گزرتی ہے جس کا عملی مظاہرہ ان حضرات کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ اپنے احساس کمتری اور خفت کو مٹانے کے لیے لاشعوری طور پر حسد جیسی صفت خبیثہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور پھر ان اعلاء کلمہ حق کے علم برداروں پر قسم قسم کی ناروا تہمتیں لگانا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح اپنی عاقبت خراب کر بیٹھتے ہیں۔

چنانچہ صاحبان بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین نجفی صاحب قبلہ بھی خدا کے ان خوش قسمت یگانہ روزگار بندوں میں سے ہیں جن پر خداوند کریم و حکیم کی طرف سے بڑی کرم نوازی ہوئی ہے۔ چنانچہ جہاں پر نجفی صاحب قبلہ اپنی ان خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے علوم شرقیہ کے منتخب زمانہ مدرس ہیں وہاں پر قادر الکلام شعلہ نوا اور شیوہ بیان خطیب و مقرر ہونے کے علاوہ پچاس سے زائد کتب عظیمہ و علمیہ کے مصنف و مترجم بھی ہیں، جن میں علم تفسیر و حدیث، علم کلام و مناظرہ و فقہ اہل بیتؑ کے علاوہ دسیوں دیگر کتب و رسائل شامل ہیں، جن کا تفصیلی معرفی نامہ اپنے مقام پر آجائے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ آیۃ اللہ نجفی مدظلہ نے زمانہ طالب علمی میں قیام نجف اشرف کے دوران اپنے درس و تدریس کے علاوہ کتب علمیہ بھی تحریر کیں، جن میں تصنیف و ترجمہ دونوں شامل ہیں۔ انہی کمالات علمیہ کی وجہ سے اپنے مشفق و مہربان اساتذہ و مجتہدین کرام سے اجازہ ہائے اجتہاد و روایت بھی حاصل کیے، جن کی تفصیل ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ لیکن سردست یہاں پر فقط حضرت آیت اللہ نجفی مدظلہ کے ایک استاد اور اپنے زمانہ کے مرجع تقلید حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید محمد جواد الطباطبائی التبریزی متوفی ۱۳۸۷ھ کے نامہ سے اقتباس نقل کرتے ہیں جو کہ آنجناب نے نجفی صاحب قبلہ کے نام خط اس عنوان سے تحریر کیا تھا، جس کا عکس آپ باب مراسلات میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ آنجناب اپنے اس لائق و عظیم شاگرد کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں:

حضرت العلامہ الحجۃ فخر الفقہاء و المجتہدین فضیلۃ الشیخ محمد حسین الباکستانی المحترم

بقول شاعر کہ: ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

لگتا ہے کہ خدواند کریم و حکیم نے اپنے اس لیے خوش نصیب بندے سے مُبتدعین و مُنحرفین زمانہ اور غاصبین خلافت کے موالیوں کی سرکوبی کا کام لینا مقصود تھا اس لیے پہلے تو انھیں اپنے دلی کے حضور نجف اشرف کسب فیض کے حصول کے لیے بلایا اور پھر علم و عمل کے اساطین کے حضور ان سے کسب فیض کی توفیق عنایت کی۔ اس طرح انھیں اس مقدس شہر میں علم عرفان کی دولت لازوال سے دامن پر کرنے کا موقع فراہم کیا اور یگانہ روزگار ہستیوں سے مختلف القاب و اجازہ ہائے اجتہاد و روایت دلوائے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ سرزمین برصغیر میں بہت کم ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں کہ جنھوں نے قوم اور معاشرے میں اصلاح احوال کی اور اسی طرح خرافات وغیرہ کے خاتمہ کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لی ہو لیکن چونکہ سالوں پرانے نظریات میں غرق قوم اور مفاد پرست حضرات اس چیز کو کبھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کی پسندیدہ رسومات اور ان کی مطلوب و مشہور لیکن غلط روایات پر خط کھینچا جائے، اگرچہ یہ شق عموم کی حامل ہے کسی خاص قوم یا مذہب کے افراد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قوم اور ہر مذہب میں اس قسم کے افراد پائے جاتے ہیں کہ جو مصلحین قوم و مذہب کی اس قسم کی باتوں کو پسند نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان حضرات کی طرف سے ان مصلحین قوم کی کم سے کم سزا یہ ہوتی ہے کہ جہاں ان پر مختلف تہمتیں لگا کر انھیں بدنام کیا جائے وہاں پر انھیں گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا جائے جس کی کئی ایک مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے کچھ مثالیں مقدمہ کتاب میں لکھی جا چکی ہیں۔

حوزہ علمیہ قم کے ماہنامہ حوزہ و دانش گاہ کی ایک عبارت

لیکن ہم یہاں پر صرف موضوع سے مربوط ہونے کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ ایران کے شہر قم سے چھپنے والے مجلہ بنام حوزہ و دانش گاہ کے سال ہشتم ۱۳۸۱ھ۔ش کے شمارہ ۳۳ کے صفحہ ۱۹۴ سے ایک عبارت تحریر کرنا چاہتے ہیں، جس کا وعدہ ہم نے مقدمہ میں کیا تھا کہ شاید یہ عبارت ہماری قوم کی بیداری میں کارآمد بن سکے۔ مجلہ کی فارسی عبارت یہ ہے:

از دہہ سوم قرن بستم حرکت اصلاحی در مراسم دہہ عاشورا در عراق شکل گرفت و کسانی چوں محمد رضا مظفر با ایجاد مدرسہ ای برائے آموزش خطیب و واعظ کوشیدند۔ مراسم را از بدعت ہا پیرایند اما برخی از اہل منبر و نوحہ گران کہ این اقدامات را با اہداف خود ہم ساز نمی دیدند با آن مخالفت می کردند۔

اس عبارت کا مطلب کچھ اس طرح ہے کہ بیسویں صدی کے تیسرے دھارے میں عراق میں علماء اعلام کی طرف سے مراسم عاشورا کی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک میں بعض علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جن میں جناب آیت اللہ شیخ محمد رضا مظفر صاحب منطق مظفر اور

اصول فقہ ہیں۔ انھوں نے اصلاح کا بنیادی طریقہ کار اس طرح اختیار کیا کہ ایک مدرسہ کھولا، جس میں خُطباء کرام و واعظین حضرات کی تربیت کرنا شروع کردی۔ کیونکہ مجالس کے اساسی رکن یہی خُطباء و ذاکرین حضرات ہوتے ہیں، اگر اہل مِنبر حضرات چاہیں تو جہاں عاشورا میں رائج غلط رسومات و روایات کو ختم کیا جاسکتا ہے وہاں پر عزاداری امام مظلوم علیہ السّلام کو ذریعہ نجات و ہدایت سمجھتے ہوئے اس سے وہ مقاصد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں جن کی بنا پر جہاں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کیا جاسکتا ہے، وہاں پر اسے اسی مِنبر کے ذریعے انسانیت کے فرائض و تقاضوں سے آگاہ کرتے ہوئے اسے صحیح معنوں میں حسینؑ و حسینیت سے آشنا کرکے حسینیوں کی صفوں میں لایا جاسکتا ہے۔ جس کے بعد پھر یہ حسینی عزادار ہر وقت ہر حال میں اور ہر مقام پر باطل و یزیدی و استعماری طاقت کے سامنے سینہ سپر ہوگا۔ انشاء اللہ۔

اور یہی وہ وجوہات ہیں جن سے وقت کا ہر یزید اور تمام استعماری طاقتیں پریشان ہیں اور اسی وجہ سے اسلام اور شیعیت کے اس عظیم پلیٹ فارم کو بے اثر اور بے ثمر بنانے کے لیے تمام تر ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ علم کی اس عظیم ترقی کے ساتھ وہ دن دور نہیں کہ جب بقول شاعر کہ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

لیکن افسوس ہے کہ علامہ مرحوم کے اس طریقہ کار کی سب سے زیادہ مخالفت اہل مِنبر اور نوحہ خواں حضرات کے اس گروہ نے کی جنھوں نے اس روش کو اپنے اہداف کے خلاف دیکھا، اس کے بعد مجلہ تحریر فرماتا ہے کہ:

دگاہ در مجلہ ی "العلم" مقالاتی علمیہ این بدعت ہای ناروا نگاشتہ و در آنہا مدعی شدند کہ علماء از ترس عامہ ی مردم بر این مراسم صحہ می نہند۔ از این گزشتہ مطالب کذب و خرافہ ہای گوناگونی ہم در متن ماجرای کربلا وارد کردہ اند۔ اقدمات اصلاحی عالمان بزرگ، گاہ با مخالفت شدید عوام روبرو می شد، چنان کہ سید محسن امین را بہ کفر و الحاد مُتّہم کردند و کار بہ جایی کشید کہ مخالفان اصلاح خود را علویان و اصلاح گران را حزب امویان می خواندند۔ شماری از مراجع تقلید۔ چون سید ابوالحسن اصفہانی خود آزاری وقمہ زنی و استفادہ از آلات لہو و لعب را در مراسم عزای حسینی حرام دانستد۔ محمد حسین نائینی ہم این اعمال را در صورتی روا دانست کہ زیانی در پی نداشتہ باشد بیست نفر از مراجع و مُجتہدان از جملہ محمد حسین کاشف الغطاء، سید محسن حکیم، سید ابوالقاسم خوئی ہم دیدگاہ او را تائید کردند و این امر موجب شد عوام و برخی اہل مِنبر بر سید محسن امین و ہمہ اداران مصلح او بشورند و آنہا را ملحد بخوانند و کار بہ آنجا انجامید کہ مردم در مراسم پس از نوشیدن آب می گفتند۔ آب بنوش و امین را لعن کن۔ محسن امین دیدگاہ ہای خود را در کتابی با عنوان رسالہ التنزیہ فی اعمال الشیعہ مطرح کرد کہ کتاب ہای فراوانی علیہ او نوشتہ شد۔

بے حسن ضمیروں کو بیدار کرنے والی عبارت

اس عبارت کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ عراق میں

ایک رسالہ نکلتا تھا بنام العلم جس میں بعض اہل قلم کی طرف سے کچھ مقالات نشر ہوتے تھے جن میں مراسم عزا میں موجود غلط رسُومات اور مجالس میں پڑھی جانے والی غلط روایات وغیرہ کے خلاف بہت کچھ لکھا جاتا اور ساتھ ساتھ علماء اعلام کے بارے میں بھی یہ کلمات لکھے جاتے کہ علماء عوام کے ڈر کی وجہ سے خاموش ہیں۔ اس بات سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ متن کربلا میں لوگوں نے گوناگوں بدعتیں اور خرافات داخل کردی ہیں۔ اس چیز کی اصلاح کے لیے علماء اعلام کی طرف سے مختلف اقدام کیے گئے۔ ان اقدام کرنے والوں میں پیش پیش آیت اللہ العظمیٰ الامام المصلح سید محسن امین عاملی، صاحب اعیان الشیعہ (۱۲۸۴ھ۔ ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۸۶۷ء ۱۹۵۲ء) ہیں، جنھیں عوام کی شدید ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، حتی کہ سید محسن امین پر کفر و الحاد کے فتوے لگائے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ سید محسن امین کے مخالف اپنے آپ کو علوی گروہ اور سید امین اور ان کے حامیوں کو اموی گروہ سے تعبیر کرتے تھے۔ سید محسن امین کی طرح حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن اصفہانی نے بھی قمہ زنی اور مراسم عزا میں آلات لہو و لعب کے استعمال کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین نائنی (۱۲۷۳ھ ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۸۵۷ء ۱۹۳۶ء) نے قمہ زنی کے استعمال کو اس صورت میں جائز قرار دیا تھا کہ کوئی ضرر واقع نہ ہو۔ اور جناب کے اس فتوی پر عراق کے بیس عدد مجتہدین عظام و مراجع کرام نے بھی دستخط کیے تھے۔ جیسے حضرت آیت اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین کاشف الغطاء (۱۲۹۴ھ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۸۷۷ء۔ ۱۹۵۴ء) حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی (۱۳۱۷ھ۔ ۱۴۱۳ھ) وغیرہ۔ یہ امر موجب بنا کہ عوام اور بعض اہل منبر حضرت آیت اللہ محسن امین اور ان کے ہم خیال افراد کے شدید مخالف ہوگئے اور انھیں ملحد کہہ کر پکارتے تھے، نوبت یہاں تک پہنچ چکی کہ مراسم عزاء میں کہا جاتا تھا کہ پانی پیو اور امین پر لعنت کرو۔ جناب محسن امین نے اصلاح احوال کی ان باتوں کو اپنی کتاب بنام رسالۃ التنزیہ فی اعمال الشبیہ میں ذکر کیا ہے جس کے کئی عدد جوابات لکھے جاچکے ہیں۔

انتہیٰ۔

اس عبارت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس قسم کی اصلاح کی جو بھی، جہاں بھی اور جب بھی کوشش کرے گا اسے حقائق سے ناواقف عوام اور مفاد پرست خواص کی گوناگوں تہمتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا کی نگاہ میں اس خاردار وادی اور آخرت کے حوالہ سے اس عظیم ذمہ داری کو سر کرنے سے قبل اپنے مافی الضمیر اور ایمانی قوت کا امتحان لے لیا جائے۔ کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر اور دنیا کی چمک دمک دیکھ کر ایمان جیسی لازوال نعمت کا سودا چند پیسوں کے بدلے کر بیٹھے۔ اسی لیے اس وادی کی سیر کرنے والے شہسوار بہت کم ملتے ہیں۔ انھیں خوش قسمت افراد میں سے کہ جنھوں نے اپنی آخرت کو دنیا پر مقدم جانا آیت اللہ شیخ محمد حسین نجفی مدظلہ ہیں کہ جو اعلاء کلمہ حق و احقاق حق و ابطال باطل و منکسر مزاجی اور خوش اخلاقی وغیرہ میں

صفات حسنہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے ان کو معتوب زمان اور محسود الاقران بنادیا ہے، مگر وہ گرد و پیش کے نامساعد حالات سے غض بصر کرتے ہوئے برابر اپنے وظائف دینیہ اور شرعیہ کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول و مصروف ہیں، گویا وہ زبان حال سے پکار رہے ہیں : ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو تو نے دیے ہیں انداز خسروانہ

مزید کچھ ذاتی و خاندانی حالات اور آپ کی اولاد کا تذکرہ

چونکہ اس کتاب کا پہلا حصہ آیت اللہ نجفی مدظلہ کے حالات کے لیے مختص ہے تو انسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے ان کے کچھ مختصر مگر جامع ذاتی حالات و کوائف سے قارئین کرام کو روشناس کرادیا جائے۔

آپ کا خاندان

آپ پاکستان کی ایک معزز زمیندار فیملی ڈھکو سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ پاکستان کے مختلف علاقوں جیسے لاہور، ساہی وال، سرگودھا، اور بھکر وغیرہ میں آباد ہیں، آپ کے خاندان میں کئی اہل علم پیدا ہوئے ہیں، جیسے مولوی محمد عبداللہ مرحوم جو کہ آیت اللہ نجفی کے پردادا تھے، جناب الحاج مولوی امام بخش صاحب مرحوم جو کہ آپ کے تایا اور جہانیاں شاہ کے سادات کرام اور مومنین کرام کے استاد تھے۔ حضرت الحاج مولانا سہراب علی خان مرحوم جو ایک بڑے جید عالم دین تھے، وہ آپ کے چچا بزرگوار تھے، جو کہ اوچ شریف ضلع بہاول پور میں مدفون ہیں اور وہاں کے جملہ اہل ایمان آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کے والد ماجد جناب رانا تاج الدین مرحوم اگرچہ عالم دین تو نہ تھے مگر انتہائی متدین اور شب زندہ دار ار روزہ دار مومن تھے جب دو بیٹیوں (غلام فاطمہ مرحومہ اور کنیز فاطمہ مرحومہ) کے بعد سرکار علامہ کی ولادت ہوئی تو آپ کے والد ماجد کی یہ قلبی تمنا تھی کہ سرکار علامہ کو علم دین پڑھائیں گے اور انھیں عالم دین بنائیں گے۔ بعد ازاں خدا نے ان کو دو بیٹے اور بھی دیے مگر موت نے ان کو عملی جامہ پہنانے کی مہلت نہ دی۔ ابھی سرکار علامہ کی عمر بارہ سال تھی کہ وہ (۱۹۴۴ء) میں رہسپار عالم بقا ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بعد ازاں رحمٰن و رحیم اور قادر و قیوم خدائے مہربان نے اس در یتیم کو علم و عمل کی جن بلندیوں سے نوازا اس میں ان کے والد ماجد کی مخلصانہ دعاؤں اور تمناؤں کا بھی بڑا دخل ہے، ہاں البتہ مرحوم کی کی اس قلبی تمنا کو تکمیل سے ہمکنار کرنے میں آپ کی والدہ ماجدہ جناب سرداراں بی بی (۱۹۶۶ء) بنت رانا محمد امیر ڈھکو مرحوم نے مثالی کردار ادا کیا اور علم و عمل کی منازل طے کرنے میں اس طرح سرپرستی کی کہ آپ کو والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محرومی کا احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ ورنہ ظاہری حالات اس قدر نامساعد اور حوصلہ شکن تھے کہ ان میں سلسلہ تعلیم جاری رکھنا اگر ناممکن نہیں تھا تو مشکل ضرور تھا، سوائے ایک آدھ آدمی کے باقی سب کا یہی مشورہ تھا کہ اب سرکار موصوف کو والد کی جگہ زمیندارہ سنبھالنا چاہیے اور اپنے کنبہ کی

کفالت کرنی چاہیے، مگر خداوند عالم کے خصوصی لطف و کرم نے دستگیری فرمائی اور ان کے سفینہ علم و عمل کو بسلامتی کنارے لگایا اور اس در یتیم کو دولت دنیا و دین سے نوازا۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ یعنی :

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مخفی نہ رہے کہ آپ کے دو بھائی مولوی نذر حسین مرحوم، اور زوار غلام رضا مرحوم جزاہما اللہ تعالیٰ فی الدارین مولوی نذر حسین مرحوم اہل علم تھے اور بڑے مقدس تھے۔ غفر اللہ لہ۔

آپ کی شادی خانہ آبادی

جب سرکار آیت اللہ محمد حسین نجفی نے پاکستان میں مقدماتی اور اسلامی علوم حاصل کر لیے اور ان کی تکمیل کے لیے حوزہ علمیہ نجف اشرف جانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو آپ نے چاہا کہ شادی خانہ آبادی کر کے وہاں جائیں تاکہ دل جمعی کے ساتھ وہاں اپنی تحصیلات مکمل کر سکیں۔ اگرچہ آپ کے استاد محترم علامہ سید محمد یار شاہ مرحوم کی خواہش تو یہ تھی کہ آپ نجف اشرف کے کسی علمی خانوادہ میں جا کر شادی کریں مگر آیت اللہ نجفی نے اپنے اور وہاں کے تمدن اور کلچر کے اختلاف کے حوالے سے معذرت کی اور اپنے ہی خاندان میں شادی کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں جب کہ آپ کی عمر بیس سال تھی، اپنی خالہ زاد کنیز فاطمہ (مرحومہ) بنت رانا غلام حسین ڈھکو مرحوم سے بڑی سادگی کے ساتھ عقد ازدواج کر لیا۔ جس نے سفر و حضر میں اور فقر و غنا میں تادم مرگ شریکۃ الحیات ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اور جس حال میں بھی رہیں کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں، حتیٰ کہ جب نجف اشرف میں اور عالم غربت میں انتہائی پیارا اور اکلوتا بیٹا محمد سبطین پانچ برس کی عمر میں والدین کو داغ مفارقت دے گیا تو مرحومہ روئیں تو بہت مگر خدائی فیصلہ اور اس کی قضا و قدر کے خلاف کبھی اف تک نہیں کی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آپ کی اولاد امجاد

۱۹۵۲ء میں آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئی اور دو سال بعد یعنی ۱۹۵۴ء میں آپ عازم نجف اشرف ہوئے اور اسی سال خداوند عالم نے آپ کو ایک چاند سا بیٹا عنایت فرمایا۔ جس کا نام محمد سبطین رکھا گیا جو کہ بموجب :

ے

فی المهد ینطق عن سعادة جده
اثر النجابة ساطع البرهان

یعنی سالے کہ نکو است از بہارش پیدا

وہ بچپن میں ہی گوناگوں خوبیوں کا مالک تھا، گویا کہ گھر میں ماہ شب چہار دہم تھا مگر آہ : ع

پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

ابھی اس نے اپنی عمر عزیز کی صرف پانچ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ وہ مہ لقا غروب ہو گیا۔

باکو کباما کان اقصر عمره
و كذا يكون كواكب الاسحار

آیت اللہ نجفی آج تک افسوس کرتے ہیں کہ اس وقت جب کہ ان کا اکلوتا نور نظر دم توڑ رہا تھا تو ان کے

پاس علاج معالجہ کے لیے پیسے نہیں تھے، اگر کچھ تھا تو وہ کتابوں کی خریداری پر صرف ہو گیا۔ رضا بقضائہ و تسلیما لامرہ۔ سبطین مرحوم یکم رجب کو بیمار ہوا اور نیمہ شعبان کو اپنے والدین کو عالم غربت میں روتا چھوڑ کر داغ مفارقت دے گیا اور وادی السلام کی آغوش میں آسودہ خاک ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عراق سے واپسی

۱۹۶۰ء میں نجف اشرف سے آپ کی واپسی ہوئی تو قدوۃ السالکین پیر سید فضل شاہ اعلی اللہ مقامہ (۱۸۷۷ء۔۲۳ر اکتوبر۱۹۶۶ء) اور سادات کرام جہانیاں شاہ جناب الحاج سید قلندر حسین شاہ مرحوم، الحاج نوازش علی شاہ مرحوم، جناب الحاج سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم چک ۲۱، جناب الحاج ڈاکٹر سید حاذق علی شاہ مرحوم اور جناب الحاج گل محمد صاحب مرحوم اور جناب میاں سلطان علی تنگیانہ مرحوم اور ڈاکٹر سید حسن علی شاہ مرحوم، جناب ڈاکٹر سید ابوالحسن شاہ مرحوم اور دوسرے اکابرین سرگودھا نے باتفاق رائے مدرسہ محمدیہ سرگودھا کی پرنسپلی آپ کو پیش کی، جہاں آپ پورے گیارہ سال تک علم و عرفان کی بارش برساتے رہے اور یتیمان آل محمد علیہم السلام کی علمی و عملی تربیت فرماتے رہے۔

الغرض جب محمد سبطین مرحوم کی وفات کے بعد گیارہ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی تو سرکار آیت اللہ النجفی کے بعض رذیل اور سفلہ صفت مخالفین نے یہاں تک بے دینی سے کام لیا کہ اصول الشریعہ کی بعض جوابی کتابوں (معالم الشرعیہ) میں کفار مکہ کی طرح آپ کا ابتر ہونے کا طعنہ دیا۔ جس کا سرکار موصوف کو بڑا صدمہ ہوا اور انھوں نے فرمایا اب خدا انھیں ضرور اولاد دے گا۔ چنانچہ انھوں نے عقد ثانی کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء میں کمال پور ضلع فیصل آباد کے ایک شریف اور دیندار فیملی داہلہ کے جناب الحاج محمد شفیع صاحب مرحوم کی دختر نیک اختر عذرا بتول سے عقد و ازدواج ہوا اور اسی سال خداوند عالم نے پہلی بیوی کنیز فاطمہ مرحومہ سے ایک دختر نیک اختر عطا کی جس کا نام عصمت بتول رکھا گیا۔ اور دو سال کے بعد خدا نے دوسری بیوی سے ایک اور بیٹی عطا فرمائی جس کا نام عترت بتول رکھا گیا۔ والحمدللہ۔ پھر علامہ نے ان بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر اپنی پوری توجہ مرکوز فرمائی اور ان کو زیور علم و عمل سے آراستہ کیا اور سن رشد و بلوغ میں پہنچنے کے بعد ان کی شادیاں خانہ آبادیاں کیں۔ چنانچہ پہلی عزیزہ عصمت بتول کی شادی خانہ آبادی جناب ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان آف لیہ سے ہوئی جس کا ایک بیٹا محمد عمار رضا ہے اور چار بیٹیاں ہیں۔ خیزران فاطمہ، بریہہ بتول، علیہ بتول، شہربانو اور دوسری عزیزہ عفت بتول کی شادی خانہ آبادی ان کے خالہ زاد طاہر عباس باجوہ بی اے آف پاک پتن سے ہوئی، جس کے دو بیٹے محمد علی میثم اور محمد علی محتشم ہیں اور بیٹی بنام شاہ زنان۔ اور تیسری عزیزہ عترت بتول کی شادی خانہ آبادی چودھری افتخار حسین ڈائریکٹر آف فیصل آباد سے ہوئی جس کے تین بیٹے ہیں۔ محمد کمیل حیدر، محمد ہذیل حیدر، اور محمد ثمیل

حیدر اور ایک بیٹی ہے جس کا نام نور العین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلاتشبیہ خداوند عالم نے حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح حضرت آیت اللہ نجفی کی نسل کی بقاء کا انتظام بھی آپ کی دختران کے ذریعہ سے کیا ہے۔ سب بیٹیاں اپنے گھروں میں خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔ پھر ۱۹۹۶ء میں پہلی بیوی کا انتقال ہوا جو کہ نیو سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور دوسری محترمہ زندہ اور سلامت ہیں اور آیت اللہ نجفی کی خدمت کو سرمایہ نجات جانتی ہیں۔ خدا ان کو تادیر زندہ وسلامت رکھے۔

علم کلام و مناظرہ وغیرہ سے متعلق کتب

تحریر: مولانا طاہر عباس اعوان

علامہ مجلسی کے رسالہ "اعتقادیہ لیلیہ" کا ترجمہ اور مختصر شرح بنان "اعتقادات امامیہ" جس کا مقدمہ مولانا حسین عارف نقوی مدظلہ نے تحریر کیا ہے۔

"اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" تعداد صفحات ۴۵۲ علامہ بزرگوار نے اس عظیم کتاب کو نجف اشرف میں تحصیل کے دوران تصنیف کیا تھا۔ اس کتاب کا تذکرہ آقائے تہرانی نے "الذریعہ" میں کیا ہے۔ اس عظیم کتاب پر مندرجہ ذیل مراجع کرام اور مجتہدین عظام کی تقریظات موجود ہیں۔

- آیۃ اللہ العظمیٰ سید جواد تبریزی طباطبائی
- آیۃ اللہ العظمیٰ سید عبد الاعلیٰ سبزواری
- آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ محمد محسن المعروف آقای بزرگ تہرانی
- آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ عبد الکریم زنجانی
- آیۃ اللہ العظمیٰ السید عبد اللہ الشیرازی
- آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد رضا اصفہانی

تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین

یہ کتاب بھی آیۃ اللہ نجفی مدظلہ نے دوران تحصیل نجف اشرف میں لکھی تھی۔ ۳۵ سال بعد اب شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں جو بعد میں اضافہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سنی عالم دین محمد نافع جھنگوی نے ایک کتاب لکھی بنام "حدیث ثقلین" جس میں اس نے بزعم خود جہان تشیع کی عالمی شہرت یافتہ کتاب "طبقات الانوار" جسے امام المتکلمین سلطان المحققین حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ میر حامد حسین لکھنوی (۱۲۴۶-۱۳۰۶ھ بمطابق ۱۸۳۰-۱۸۸۸ء) نے تحفہ اثناعشریہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے باب امامت کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، جس کی تعداد تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جس کا حال ہی میں ایک جامع خلاصہ فقط احادیث سے مربوط جلدوں کا ۱۹ جلدوں میں عربی زبان میں آقای میلانی مدظلہ نے قم سے نشر کیا ہے، ہنوز آیات سے مربوط بحث والی جلدیں نہیں مل سکیں، ان دشمن علماء کوڑھ مغزوں کو کہ جو یہ کہتے ہیں کہ علماء نے کیا دین کی خدمت کی ہے، یہ بات یاد رہے کہ فقط اسی ایک انحرافی کتاب کے شیعہ علماء اعلام کی طرف سے پچاس سے زیادہ جوابات دیے جاچکے ہیں، وللہ الحمد۔

الغرض اس عظیم کتاب کی دو ضخیم جلدیں حدیث ثقلین کے اثبات پر ہیں۔ اس سنی عالم نے انھیں رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے جواب الجواب کے عنوان سے آیۃ اللہ نجفی صاحب مدظلہ نے اپنے مخصوص انداز میں

اس کا ایسا پوسٹ مارٹم کیا ہے کہ باطل ہمیشہ کے لیے خاموش ہو کہ رہ گیا ہے۔ اس کتاب پر بھی مذکردہ مراجع کرام و فقہاء عظام کی تقریظات موجود ہیں، اس کتاب کا تذکرہ بھی آقائی بزرگ تہرانی نے الذریعہ میں کیا ہے۔

(الذریعہ جلد ۲۶ صفحہ ۸۷۲)

اقسام توحید

مختصر عقائد الشیعہ

تجلیات صداقت بجواب آفتاب ھدایت

دو ضخیم جلدیں جس نے شیعیت کا سر بلند کردیا ہے۔ یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے جواب میں دشمن نے فقط آیۃ اللہ نجفی مدظلہ کا عظیم علمی کتاب خانہ جلایا اور اس کے علاوہ دشمن کچھ جواب نہ دے سکا۔ آفتاب ہدایت کو ایک زمانہ تک مخالفین مناظرہ کی ایک لاجواب کتاب تصور کرتے تھے۔ لیکن آیۃ اللہ نجفی نے ۳۱۳ عنوانات پر مشتمل تجلیات صداقت لکھ کر ان کے تمام مزعومات کو باطل کردیا اور ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ ۳۵ سال گزرنے کے باوجود بھی تجلیات ابھی تک اپنی علمی تجلیوں کے ذریعے مخالفین کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ لیکن ان سے اس عظیم کتاب کا جواب نہیں بن پایا۔ اس جلیل القدر کتاب میں مخالفین کی طرف سے مذہب شیعہ پر کیے جانے والے تمام اعتراضات کے مکمل و مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔

کُتب فقہ

قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ

دو ضخیم جلدیں، فقہ اہل بیتؑ کے حوالہ سے اس عظیم کتاب میں مسائل حلال و حرام سے متعلق بحث اور توضیح المسائل کی روش سے ہٹ کر اکثر مسائل کی علت بھی بیان کی گئی ہے۔ جلد اول تقلید سے امر بالمعروف تک ۵۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل ابحاث موجود ہیں۔ تقلید، باب الطہارۃ و نجاسات، باب الصلوٰۃ، باب الصوم، باب الزکوٰۃ، باب الخمس، باب الحج، باب الجہاد، باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور جلد دوم جو کہ ۵۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مندرجہ ذیل ابحاث تحریر کی گئی ہیں۔ باب المضاربہ، باب الوکالۃ، باب النذر و الیمین، باب الودیعہ و۔۔۔۔۔ الامانۃ، باب النکاح و الطلاق، باب المیراث، باب الدیات وغیرہ۔

خلاصۃ الاحکام رسالہ عملیہ

(یہ قوانین الشریعہ کا جامع خلاصہ ہے)

حرمت غنا اور اسلام

حرمت ریش تراشی

نماز جمعہ اور اسلام

(یہ کتاب نماز جمعہ کے وجوب پر لکھی گئی ہے جسے قائد ملت جعفریہ سید محمد دہلوی نے ایجوکیشنل پریس کراچی سے چھپوایا تھا۔

کُتب احادیث

مسائل الشریعہ ترجمہ و حواشی وسائل الشیعہ

حضرت شیخ حر عاملی کی عالمی شہرت یافتہ کتاب وسائل الشیعہ ۲۰ جلد کا شستہ و شائستہ ترجمہ ہے اور جگہ جگہ پر مفید حواشی لکھے گئے ہیں۔ ۱۶ جلدوں کا ترجمہ ہو چکا ہے جن میں سے چھ چھپ چکی ہیں۔

آیۃ اللہ نجفی صاحب سفر و حضر میں اس کے ترجمہ میں مشغول رہتے ہیں، حتی کہ ایک دفعہ کسی ضروری میٹنگ کی وجہ سے جامعۃ المنتظر گئے ہوئے تھے کہ اطلاع ملی کی آپ کے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس جگہ پر صفدر ڈوگر نے لکھا ہے کہ آپ نے قومی مسائل کو ذاتی مسائل پر ترجیح دی اور جب تک میٹنگ شروع نہیں ہوئی وسائل الشیعہ کے ترجمہ میں مصروف رہے۔ ہم یہاں پر صفدر ڈوگر کے ہاتھ کی تحریر کو جو کہ القائم فروری، مارچ کے صفحہ ۳۹ پر موجود ہے، یہاں درج کرنا چاہتے ہیں۔

آیۃ اللہ نجفی نے ہمیشہ قومی مسائل کو ذاتی مسائل پر ترجیح دی ہے

ڈوگر صاحب نے اس عنوان سے سرخی قائم کی۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسین ڈھکو کو صدمہ اور قومیات میں ان کے ایثار کی عظیم مثال۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسین ڈھکو کے حقیقی بھائی غلام رضا کا انتقال ۱۹ر دسمبر کو ہوا، وہ نوجوان تھے، غیر شادی شدہ تھے، اچانک انتقال کر گئے --- بھائیوں کی موت کے اثرات سے وہی واقف ہوتا ہے جو اس سے دو چار ہو اور اسلام میں پیغمبر اکرمؐ نے حضرت امیر حمزہ کا مرثیہ کہہ کر اور حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس کا مرثیہ کہہ کر ان اثرات سے آگاہ کیا ہے۔ جب ڈھکو صاحب کے بھائی کا انتقال ہوا، وہ بہاولپور میں تھے اور فون کرنے پر گھر والوں کو پتا چلا کہ وہ بہاول پور سے بذریعہ بس لاہور روانہ ہو چکے ہیں۔ ۲۰ر دسمبر کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی ایک انتہائی اہم میٹنگ تھی، جب مولانا محمد حسین ڈھکو صاحب لاہور پہنچے تو انھیں بھائی کی موت کی اطلاع دی گئی۔ سپریم کونسل کے کچھ ارکان حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر میں تشریف بھی لا چکے تھے اور یہ میٹنگ قومی، مذہبی، ملی اور ملکی سیاست کے لیے تحریک کی ایک انتہائی اہم اور فیصلہ کن میٹنگ تھی، تو انتہائی صدمے کی کیفیت میں تمام ارکان ڈھکو صاحب کو روک بھی نہیں سکتے تھے اور ان کی آراء اور تجاویز اس اجلاس میں انتہائی اہمیت کی حامل تھیں، قائد محترم نے خصوصی شرکت کرنا تھی، ڈھکو صاحب نے کہا کہ میں نے اپنی ذات پر ہمیشہ قوم اور مذہب کو ترجیح دی ہے اس لیے میں اس اجلاس کے لیے ٹھہروں گا۔ سپریم کونسل کے ارکان اور دیگر احباب حیران ہوئے۔ یہ بات کہنا آسان ہے مگر عملی طور پر کر گزرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ انھوں نے عملی طور پر یہ مثال قائم کردی کہ قوم اور مذہب کا مفاد کتنا عظیم ہوتا ہے۔ ہم اس غم میں ان کے برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بطفیل محمدؐ و آلِ محمدؑ ان کے بھائی کو جوار معصومینؑ میں جگہ عنایت فرمائے اور انھیں صبر جمیل عنایت فرمائے۔ ایک علمی احساس اور عملی تحریری کام کرنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ڈھکو صاحب اپنے بھائی کی وفات کی خبر سننے کے بعد اور سپریم کونسل کے اجلاس کے جاری ہونے تک اداس اور مغموم حالت میں بھی وسائل الشیعہ کا ترجمہ کرتے رہے۔ انتہیٰ۔

اس عبارت کو ہم خود ڈوگر صاحب اور ان کے ان ساتھیوں سے کہ جن کے ساتھ مل کر آج کل وہ صاحب کام کر رہے ہیں، بار بار پڑھنے کی اپیل کرتے ہیں کہ آیا

واقعاً ڈھکو صاحب قبلہ نے عملی طور پر یہ مثال قائم کردی ہے کہ انھیں قوم اور مذہب کا مفاد بہت عظیم ہے اور ڈوگر صاحب نے القائم میں مولانا اثیر جاڑوی صاحب کی شہادت کے بعد لکھا کہ میں ندائے شیعہ کے دفتر میں جناب جعفر علی میر ایڈیٹر اخبار کے پاس بیٹھا ہوں اور میر صاحب مجھے ڈھکو صاحب کے خطوط دکھا رہے ہیں----

میر صاحب نے زندگی بھر ڈھکو صاحب کے خلاف لکھا اور دل کھول کر لکھا، جارحانہ انداز میں لکھا لیکن جب میر صاحب نے قوم کے اتحاد کی بات کی تو ڈھکو صاحب نے بلاقید و شرط سب سے پہلے جعفر علی میر کو ٦ صفحات پر مشتمل خط لکھ کر اپنی ہر قسم کی حمایت کا یقین دلا کر حیران کر دیا۔

(بحوالہ القائم شمارہ ۵۔٦ مئی جون ۱۹۹۲ء اداریہ)

یہاں اپنے قارئین کو صدر ڈوگر صاحب کا یہ جملہ سناتے چلیں کہ:

"جب بات حوالوں کی ہو تو القائم ہی ذہن میں آتا ہے"۔

ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ ڈوگر صاحب اپنے اس جملہ کو خود بھی یاد رکھیں اور اپنے حواریوں کو بھی سنائیں۔ ع

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کواکب مضیہ ترجمہ و شرح

الجواھر النیہ فی الاحادیث القدسیہ

محدث بزرگوار شیخ حر عاملی صاحب وسائل الشیعہ کی کتاب جواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ کا ترجمہ و شرح ہے جو دو مرتبہ اردو میں چھپ چکی ہے، ایک دفعہ سرگودھا سے اور ایک دفعہ بغیر متن کے ادارہ منہاج الصالحین لاہور کی طرف سے۔

کُتب تفسیر

فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن

دس جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، جو مکمل طور پر چھپ کر مارکیٹ میں آگئی ہیں۔ چونکہ آیۃ اللہ نجفی اس تفسیر لکھنے کے دوران بیمار ہوگئے تھے، تو ان کے بقول اس عظیم تفسیر کی تکمیل کے لیے جو کہ درحقیقت خلاصۃ التفاسیر ہے اور عقلی و نقلی ہر لحاظ سے کم نظیر ہے اور اس میں نہ طول ممل ہے اور نہ اختصار مخل، بلکہ ہر جگہ اعتدال کا دامن تھاما گیا ہے، اور متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کا نچوڑ ہے۔ جس کے لیے اپنی زندگی کی خصوصی دعا بارگاہ رب العزت سے مانگی تھی، جو کہ الحمدللہ پوری ہو گئی ہے، اس کے علاوہ کئی مقالات تفسیر کے حوالے سے مجلہ دقائق اسلام میں چھپ چکے ہیں۔

آج کل قرآن مجید کے ترجمہ پر کام کر رہے ہیں، جس کے حاشیہ پر مختصر مگر جامع تفسیر بھی ہے، جو کہ فیضان الرحمٰن کی دس جلدوں کا خلاصہ ہے۔

کُتب ادعیہ و زیارات

عقد الجمان فی ترجمہ مفاتیح الجنان

اس کا ترجمہ نجف اشرف میں تحصیل کے دوران کیا تھا، لیکن بقول آیۃ اللہ نجفی صاحب لاہور سے اس کا ترجمہ چھپ جانے کی وجہ سے میں نے اسے درمکنون کی طرح رکھ دیا۔ اس کا ذکر بھی آقائے بزرگ تہرانی نے الذریعہ

ترکی جواب مؤلف تحفہ اثنا عشریہ کی حیات میں دے دیا تھا کہ جو درحقیقت ان کی شہادت کا سبب بنا۔

- شہید خامس آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد باقر الصدر، جنھیں صدام ملعون نے عراق نجف اشرف میں بے دردی سے شہید کیا تھا۔

اصلاح المجالس والمحافل

اور اس کا خلاصہ بنام مختصر اصلاح المحافل و المجالس جسے جناب شیخ طاہر حسین آف اسلام آباد نے تحریر کیا ہے۔ اصلاح المحافل و المجالس کے وجود میں آنے کے بعد کیا ہوا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترة الطاہرہ

جس کے چھپتے ہیں یار لوگوں کی باسی ہانڈی میں ایک بار پھر ابال آ گیا اور ایک بار پھر ۱۹۶۵ء تا ۱۹۸۰ء تک کے حالات تازہ ہو گئے۔ ایک دفعہ تو کافی ہا ہو ہوئی لیکن چونکہ ان میں کوئی عالم فاضل نہ ہونے کی وجہ سے اکثر شور مچانے والے اور کتاب کا جواب لکھنے والے یا طالب علم تھے یا محض ذاکرین کہ جن کے مفاد کو خطرہ لاحق تھا، بہر حال اس کے بھی کئی جواب آئے ہیں اور شائد ابھی اور بھی آئیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا جواب لکھنا اور ان ٹھوس حقائق کا جھٹلانا موجودہ شور مچانے والوں میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ بہرحال اس کتاب کے خلاف قلم اٹھانے والے اور سستی شہرت حاصل کرنے والے یا خریداران یوسف میں نام درج کرانے والے کچھ تو ایسے طالب علم تھے کہ جنھوں نے اپنے علم کی تشہیر ہی علامہ کی مخالفت سے کی اور ان میں ایک صاحب حقیر کے جاننے والوں میں سے ہیں، ان کے اپنے بیان کے مطابق کہ نجفی صاحب کی مخالفت کے نتیجہ میں میرے تعلقات بہت بنے ہیں، اور یہی ان لوگوں کا مطلوب ہے، نہ یہ کہ دین کا درد انھیں کھائے جا رہا ہے۔ اور اگر ہم چاہیں کہ موجودہ دور کے معترضین و مفسدین کی اور علماء حقہ کے خلاف شور مچانے والوں کی کتاب زندگی کے چند اوراق پریشان قوم کے سامنے تحقیقی دستاویز کے ساتھ پیش کر دیں، واللہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو جائے گی۔ لیکن بعض وجوہ سے ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔ الغرض ان قلم اٹھانے والوں میں سے بعض ایسے طالب علم ہیں کہ جن کا اس حوالہ سے مطالعہ بہت ہی محدود ہے یا پھر تاجران خون امام حسینؑ وہ ذاکرین اور اہل منبر کہ جن کی مفاد کو بہت خطرہ لاحق ہوا یا تقریر میں کچھ بیان کرنے کے لیے تازہ مواد ملا، اور کئی تو علامہ صاحب سے چوٹ کھائے ہوئے پکے شخی ہیں۔
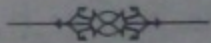
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور بلاشبہ ایسے ہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں"۔

(سورۃ آلِ عمران آیت ۱۰۴)

اہلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

1. **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
2. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔
3. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔
4. **اثبات الامامت** ائمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔
5. **اصول الشریعة** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
6. **تحقیقات الفریقین** اور
7. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
8. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصة التفسیر** منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور حاشیہ تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔
9. **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
10. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب: **منیجر مکتبة السبطین**

9/296 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722

نابغہ روزگار
مفسر قرآن

آیت اللہ الشیخ محمد حسین نجفی دام ظلہ الوارف

کے پاکستان میں دینی خدمات کے پچاس سال مکمل ہونے پر
سرکار علاّ کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنے کے لیے انعقاد

گولڈن جوبلی

بمقام جامعہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا بستی توحید ضلع لیہ

بتاریخ ۶ مارچ ۲۰۱۱ بروز اتوار

تمام مقلدین معتقدین اور مومنین کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے

الداعون الی الخیر اراکین و معاونین **جامعہ فاطمۃ الزہراء** سلام اللہ علیہا بستی توحید
پوسٹ آفس شاہ پور تحصیل کروڑ ضلع لیہ پنجاب پاکستان

الخط کمپوزرز 0307- 6719282